خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماھنامہ

فیصل آباد
پاکستان

مِلّیہ

رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

بمطابق مئی 2014ء

www.milliafsd.com

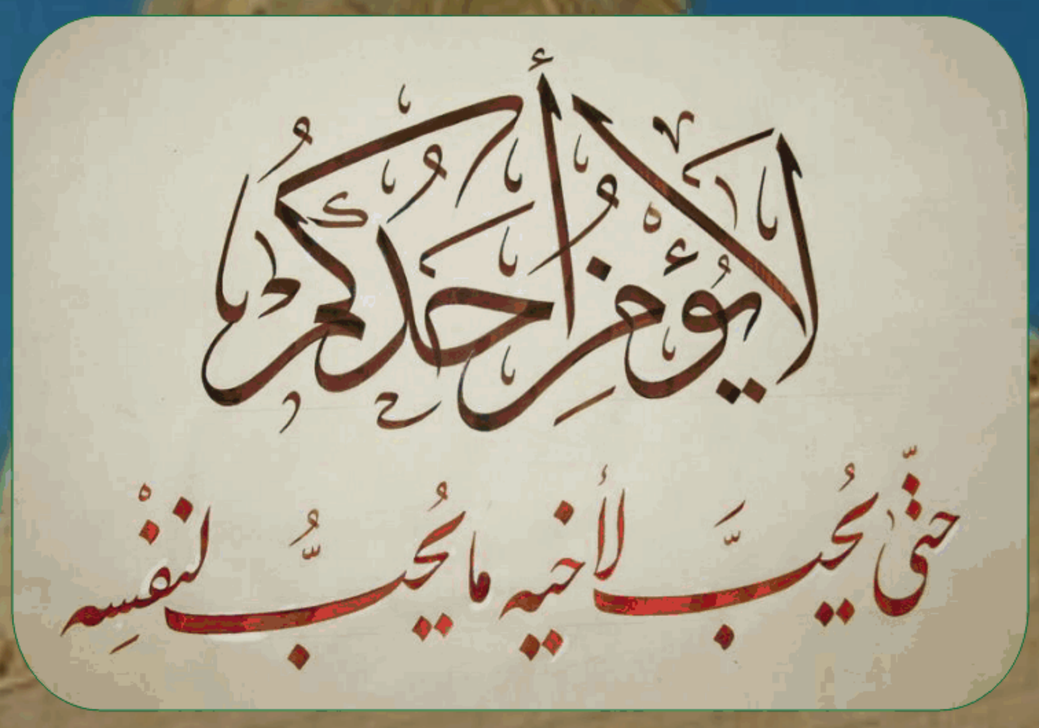

کلمۃ الحبیب

شریفوں کی پریشانی

تحریک ختم نبوۃ تاریخ کے آئینے میں

مستورات تراویح کیسے پڑھیں؟

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

بحضورِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

قطب الاقطاب حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرّہٗ

مَیں ہر آستاں چھوڑ کر آ گیا ہُوں
مُواجہ پہ با چشمِ تر آ گیا ہُوں

رسالت پناہا ! نُبوّت کُلاہا !
اِک اُمّیدوارِ نظر آ گیا ہُوں

زمانے نے روکا، مصائب نے ٹوکا
زیارت کی خاطِر مگر آ گیا ہُوں

مَحبّت کی شِدّت مجھے کھینچ لائی
عقیدت کے پیشِ نظر آ گیا ہُوں

اِلیٰ اَصْلِہٖ یَرْجِعُ کُلُّ شَیٍٔ
مَیں بھُولا ہُوا اپنے گھر آ گیا ہُوں

مِری راہ میں گرچہ حائل تھے دریا
خُدا کی قسم بے خطَر آ گیا ہُوں

مَحبّت کے سِکّے، عقیدت کی نقدی
یہی لے کے زادِ سفر آ گیا ہُوں

مِرے پاس تک آ سکے گی نہ دُنیا
قریب آپؐ کے اِس قدر آ گیا ہُوں

مِری زِندگی ہو رہی ہے نچھاور
جو روضے پہ میں لمحہ بھر آ گیا ہُوں

مجھے لوگ کہتے ہیں مقبولِ احمد
اِس ارماں اِس اُمّید پر آ گیا ہُوں

○

۱۹۵۱ - ۵۲ء

ؔ سیّد نفیس الحسینی کے خاندان کے بزرگ عارفِ ربّانی صوفی سیّد شاہ مقبول احمد (م ۱۹۷۸ء) نے ۱۹۶۳ء میں حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اطہر پہ پہلی حاضری کے وقت یہ نعت پیش کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

ملّیہ

فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

رجب المرجب ۱۴۳۵ھ — جلد نمبر 10

بمطابق

مئی 2014ء — شمارہ نمبر 7

فہرست مضامین

کلمۃ الحبیب

○ شریفوں کی پریشانی — 2
ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

○ مجالس سید الطائفہ، قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ — 9

○ تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں — 12
ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

○ مستورات تراویح کیسے پڑھیں؟ — 28
مولانا عبدالغنی صاحب

○ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے واقعات — 44

○ بچوں کے صفحات — 46

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ

خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

حضرت سید نفیس الحسینی

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

مدیر: حماد الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر: جواد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 25 روپے — پاکستان میں سالانہ 300 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے

ماہنامہ ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد

041-8711569

0321-6611910

ناشر..... حبیب الرحمٰن لدھیانوی — مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد — Decl No. 3483-85

کلمۃ الحبیب

شریفوں کی پریشانی

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ہندوستان کی آزادی کے وقت جواہر لال نہرو جب ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم بنے تو انہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کی فوج کا سپہ سالار تبدیل کر دیا۔ انگریز سپہ سالار کی جگہ انہوں نے ایک ہندو ''کری آپا'' کو سپہ سالار بنا دیا۔ اور ہندوستانی فوج سے تمام انگریز افسر نکال کر ہندوستانیوں ہی کو فوجی افسر بنا دیا۔ اور یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ پنڈت نہرو نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ جب فوج کے دو جرنیل آپس میں ملاقات کریں یا کھانے پر ملیں تو درمیان میں حکومت کا ایک سول نمائندہ بھی بیٹھے گا۔ اس پر اب بھی عمل ہو رہا ہے یا نہیں، اس کا ہمیں علم نہیں۔

پاکستان کے مشہور صحافی جناب عبدالقادر حسن نے ۲۶/اپریل ۲۰۱۴ء کو روزنامہ ایکسپریس میں اپنے کالم میں لکھا ہے کہ بھارت کے پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک دفعہ فوج کی ایک معمولی سی درخواست مسترد کر دی۔ فوج اپنی چھاؤنی میں کوئی دیوار بنانا چاہتی تھی۔ پنڈت جی سے ان کے ایک ساتھی نے کہا کہ یہ تو معمولی سی بات تھی، آپ نے کیوں رَدّ کر دی۔ جواب دیا ''ان کو انکار کرنا ضروری ہوتا ہے'' ورنہ یہ شیر ہو جاتے''۔

دوسری طرف ہمارے ہاں عالم یہ تھا کہ ہم نے اپنی پاکستانی فوج کے اہم عہدوں ''چیف آف آرمی سٹاف سے لے کر کیپٹن تک تمام افسر انگریز تعینا کئے رکھے۔ جو کہ ۱۹۵۶ء تک جاری رہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب سکندر مرزا صدر بنے تو انہوں نے تمام عہدوں سے انگریز افسروں کو فارغ کر دیا۔

۱۹۴۸ء میں ہندوستان نے جب کشمیر میں اپنی فوجیں داخل کر دیں تو پاکستان کے گورنر جنرل

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اس وقت کے پاکستانی فوج کے انگریز سپہ سالار ''جنرل گریسی'' کو کشمیر پر فوج کشی کا حکم دیا تو اس نے بانیٔ پاکستان اور گورنر جنرل کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یعنی ہندوستان میں سیاسی حکومت نے فوج کا دائرہ کار محدود کر دیا تھا اور ہمارے ہاں ہماری فوج نے ہمارے سیاسی ہی نہیں بلکہ ملک کے بانی نمائندوں کا بھی دائرہ کار محدود کر دیا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہا وہ فوج ہی کی مرضی سے ہوا۔ ہماری فوج ہمیشہ سے ہمارے ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسی میں نہ صرف شریک رہی بلکہ اسی کی مرضی سے پالیسی تشکیل دی جاتی رہی۔ ایوب خان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد تو ہمارا ملک بالکل ہی فوج ہی کا ہو کر رہ گیا۔

۱۹۷۱ء میں ملک اُس وقت کے فوجی حکمران جنرل یحیٰ خان ہی کی اس ضد پر دو ٹکڑے ہوا کہ اس کی خواہش تھی کہ ملک کا صدر وہ خود ہی رہے۔ دراصل ایوب خان کے دور ہی سے فوج نے یہ طے کر لیا تھا کہ اب اس ملک میں عوامی نمائندہ بھی وہی منتخب ہو کر برسر اقتدار آئے گا جس کو فوج آگے لائے گی۔ اس کی مثال جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے بعد غلام اسحاق خان کی صدارت ہے۔ ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں جب پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی تو عوامی نمائندوں کا خیال تھا کہ نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم کو ملک کا صدر بنا دیا جائے، کیونکہ جمہورت کے لئے ان کی بڑی قربانیاں ہیں۔ جب کاغذات داخل کرائے تو نواب زادہ کے مقابلہ میں غلام اسحاق خان بھی صدارتی امیدوار بنے۔ جمعیۃ علماء اسلام نے نواب زادہ صاحب کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ تو اس پر مولانا فضل الرحمٰن کو اس وقت کے آرمی چیف جنرل اسلم بیگ کا ٹیلیفون آیا کہ آپ غلام اسحاق خان کو ووٹ دیں، تو مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ آپ ہمیں پابند نہیں کر سکتے۔ اس پر جنرل اسلم بیگ نے کہا کہ ''ملک کا صدر وہی بنے گا جس کو فوج چاہے گی''۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ غلام اسحاق خان ہی صدر بنے۔ ان کو پیپلز پارٹی اور ن لیگ نے آپس میں اختلاف کے باوجود متفقہ طور پر ووٹ دیئے۔

۱۹۷۱ء میں جنرل یحیٰ کو صدر بنانے پر مسٹر بھٹو تو مان گئے تھے، کیونکہ وہ ایوب خان یعنی فوج کی پیداوار تھے، وہ فوج کے مزاج کو سمجھتے تھے۔ مگر شیخ مجیب الرحمٰن نہ مانا کیونکہ وہ ایک سیاسی ورکر تھا، اس کی فوج نے پرورش نہیں کی تھی، اسی لئے ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی شکست کی شرمندگی کی وجہ سے فوج بظاہر اقتدار سے دور ہو گئی اور مغربی پاکستان کی حکومت اپنے ہی

تراشیدہ عوامی نمائندے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو سونپ دی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو پہلے سول چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر، صدر اور پھر وزیراعظم پاکستان بن گئے۔ یہ دنیا میں پہلی مثال تھی کہ ایک سول آدمی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنا۔ اس کی وجہ صاف تھی کہ وہ فوج ہی کے پروردہ تھے۔

انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ۱۹۷۳ء میں ملک کو متفقہ آئین دیدیا۔ اس سے پہلے ۱۹۵۶ء میں سکندر مرزا نے پاکستان کا پہلا آئین بنایا تھا، اس سے پہلے پاکستان کو ۱۹۳۶ء کے ایکٹ کے تحت چلایا جاتا رہا۔ مگر ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کی طرف سے اقتدار پر فوجی قبضہ کے بعد ۱۹۵۶ء کا آئین منسوخ کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۳ء تک ایوب خان کا بنایا ہوا آئین چلتا رہا۔ بھٹو مرحوم نے ۱۹۷۳ء کا آئین بناتے وقت اس میں ایسی شقیں داخل کر دی تھیں جس کی وجہ سے کوئی بھی آئین نہ توڑ سکے۔ اس آئین میں دفعہ ۶ رمیں واضح کر دیا گیا کہ ''اس آئین کو معطل کرنے یا منسوخ کرنے والے کو سزائے موت دی جائے گی'' اس آئین پر تمام تحفظات کے باوجود تمام سیاسی پارٹیوں نے دستخط کر دیئے تھے۔ اگرچہ ۱۹۷۳ء میں آئین بناتے وقت قادیانیوں کے مسئلہ کو حل نہیں کیا گیا تھا مگر پھر بھی اسمبلی میں موجود تمام مکاتب فکر کے علماء نے دستخط کر دیئے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی مرضی کے مطابق آئین نہیں بنا مگر پھر بھی آپ نے دستخط کر دیئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جیسے طلاق ابغض المباحات میں سے ہے مگر مجبوراً دینا پڑتی ہے، اسی طرح ہم نے آئین پر دستخط کر دیئے ہیں تا کہ کل کوئی یہ نہ کہے کہ ملک کا آئین بناتے وقت مولوی رُکاوٹ بن گیا، ہم چاہتے ہیں کہ آئین تو بنے، اس میں بعد میں ہم اسلامی ترامیم لے آئیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا، کہ آئین متفقہ طور پر بن گیا اور بعد میں قادیانیوں جیسی اور بھی اسلامی ترامیم پاس ہو گئیں۔ اگرچہ بھٹو صاحب اور اس وقت حزب اختلاف کے اسمبلی ممبران سمیت سب نے آئین بنانے کا کام مکمل کر لیا تھا اور اطمینان ہو گیا تھا کہ اب فوج سے کوئی خطرہ نہیں، مگر حکمرانوں کے چلن نے پھر فوج کو مداخلت کا موقع دیدیا۔ فوج یہ سمجھتی تھی کہ آئین توڑنے پر موت کی سزا کی یہ شق اسی کے لئے بنائی گئی ہے، فوج اسی انتظار میں تھی کہ کب عوامی سطح پر حکومت کے خلاف تحریک چلے اور اُسے درمیان میں کُودنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں بھٹو حکومت نے انتخابات میں دھاندلی کر کے خود اپنے خلاف عوامی تحریک چلانے کا موقع دیدیا۔ چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ فوجی قبضہ کے بعد جنرل محمد

ضیاء الحق مرحوم نے جب معزول وزیر اعظم ذوالفقار علی سے ملاقات کی تو بھٹو مرحوم نے جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم سے کہا کہ ''آئین کی دفع چھ پڑھ لینا'' جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کو آئین کی دفع چھ کا علم تھا۔اب مسئلہ یہ تھا کہ اس سے کیسے نمٹا جائے۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت خان عبدالولی خان نے کہا تھا'' کہ قبر ایک ہے اور لاشیں دو ہیں'' مراد یہ کہ اس قبر میں یا تو غداری کے جرم میں فوجی جرنیل جائے گا یا پھر خود ذوالفقار علی بھٹو۔مگر فوج غالب رہی اور بھٹو مرحوم قبر میں چلے گئے۔پھر جنز محمد ضیاء الحق نے آئین میں ترمیم کر کے تمام اختیارات اپنے لئے حاصل کر لئے۔چونکہ وہ صدر بن چکے تھے۔اور غیر جماعتی الیکشن کروا کر آئین میں اپنی مرضی کی ترامیم کروا کر اسی اسمبلی سے پاس کروالیں۔جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے حادثہ کے بعد فوج وقتی طور پر اقتدار سے الگ ہوگئی،اس کے بعد بے نظیر بھٹو مرحومہ اور میاں محمد نواز شریف دو دفع برسر اقتدا آئے مگر وہ ناکام ہو گئے۔اس لئے کہ ان دونوں نے فوج سے اختلاف پیدا کر لیا تھا۔چنانچہ فوج سے اختلاف کی وجہ سے دونوں اقتدار سے الگ کر دیئے گئے۔میاں محمد نواز شریف صاحب نے اپنے دوسرے دور اقتدار میں صدر سے وہ اختیارات واپس لے لئے تھے جن کی وجہ سے صدر اسمبلی کو توڑ دیتا تھا۔یہی بات فوج کو ہضم نہیں ہوئی تھی۔پھر فوج سے میاں صاحب کا ختلاف ہوا اور انہیں پہلے جیل پھر ملک بدر ہونا پڑا۔جنرل پرویز مشرف نے اقتدار میں آ کر پھر اسی ترمیم کو تراش خراش کر کے بحال کر دیا جو کہ جنز محمد ضیا الحق مرحوم نے کی تھی،جس کو میاں نواز شریف نے ختم کر دیا تھا۔

ہمارے ملک میں مختلف ناموں سے مختلف گروہوں نے حکومت کی ہے۔مثلاً !ایک دور غلاموں کے نام سے آیا تھا۔اس وقت ملک کی بڑی بڑی مسندوں پر غلام نام کے لوگ براجمان تھے۔ملک کے صدر کا نام غلام اسحاق خان,ملک کا وزیر اعظم غلام مصطفٰے جتوئی،ملک کا سینیئر وزیر غلام مصطفٰے کھر ،پنجاب کا وزیر اعلیٰ غلام حیدر وائیں،سندھ کا وزیر اعلیٰ ارباب غلام رحیم تھے۔پھر پرویزیوں کا دور آیا،جس میں پرویز مشرف ملک کے صدر،پرویز الٰہی پنجاب کے وزیر اعلیٰ،اشفاق پرویز کیانی آرمی چیف،اور پھر بعد میں پیپلز پارٹی کی طرف سے پرویز اشرف وزیر اعظم بنے۔اور آجکل شریفوں کے نام سے حکومت ہے۔وزیر اعظم نواز شریف،پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف،اور ملک کے آرمی چیف جنرل راحیل شریف ہیں۔یہ بات ذہن میں رہے کہ غلاموں کا دور

حکومت ہو یا پرویزیوں کا، ان دونوں دوروں میں آپس میں اختلا نہیں ہوا۔ اگر ہوا تو قوم کو محسوس نہیں ہونے دیا گیا۔ مگر جب سے شریفوں کا قافلہ حکومت میں آیا ہے اسی وقت سے اختلاف کی خبریں گردش کررہی ہیں، اور میڈیا جلتی پر تیل کا کام کررہا ہے۔ شریفین کی حکومت پہلے بھی دو دفع رہ چکی ہے، اس وقت اس میں تیسرے شریف ان کے والد گرامی حاجی محمد شریف تھے۔ اس وقت شریفین کی حکومت کو ''ابّاجی'' کی حکومت کہا جاتا تھا۔ چونکہ فیصلے وہی ہوا کرتے تھے جو کہ ''ابّاجی'' کیا کرتے تھے۔ اسی لئے دونوں دفعہ فوج سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ''ابّاجی'' ایک بہترین ''کاروباری مِل اونر'' منتظم تھے۔ انہوں نے حکومت کو بھی اپنے شریف صاحبزادوں کے ذریعہ مِل ہی کی طرف چلایا، اور فوج کو اپنی مِل کا سیکورٹی ادارہ سمجھا۔ مگر فوج فوج ہوتی ہے۔ میاں محمد نواز شریف فوج ہی کے پروردہ تھے۔ فوج کو یہ کج ادائی پسند نہ آئی۔ اسی لئے دو دفعہ ان کی حکومت کا دھڑن تختہ کر دیا گیا۔ اب ایک طویل عرصہ کے بعد شریف برداران کو تیسری دفعہ حکومت ملی ہے۔ قوم نے سمجھا تھا کہ شاید ان شریفوں کے مزاج میں کوئی تبدیلی آئے۔ ابھی تک ایسی کوئی تبدنظر نہیں آرہی۔ انہوں نے اپنے دوسرے دور حکومت میں آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت سے جس انداز سے استعفیٰ لیا، اور اس آرمی چیف نے لڑائی کی بجائے عزت سے استعفیٰ دیا اس کے اس طرز عمل سے شریف برادران کے حوصلے بڑھ گئے، اور انہوں نے ہر ایک کو للکارنا شروع کر دیا۔ جنرل جہانگیر کے استعفے کے بعد شریفین نے جنر پرویز مشرف کو آرمی چیف اپنی مرضی سے لگایا۔ اور سمجھا کہ انہوں نے ایسے شخص کو آرمی چیف لگایا ہے جس کی فوج میں کوئی گروہ بندی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ''ستے خیراں نے''۔ مگر فوج کے پروردہ ہونے کے باوجود وہ یہ نہ سمجھے کہ ہمارے ملک کی فوج شروع ہی سے عوامی سیاستدانوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتی۔ ہماری فوج نے بانیٔ پاکستان قائداعظم کا حکم نہیں مانا تھا، ان شریف زادوں کی کیا وقعت۔ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد فوج وقتی طور پر شرمندگی سے بچنے کے لئے پیچھے ہوگئی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اقتدار سنبھالتے ہی جنرل گُل حسن کو آرمی چیف بنا دیا تھا۔ ایک سال بعد جنرل گل حسن سے بھٹو صاحب کا اختلاف ہو گیا تو ان کی کوشش تھی کہ جنرل گل حسن سے استعفیٰ لے لیا جائے۔ بھٹو صاحب نے یہ کام غلام مصطفےٰ جتوئی اور غلام مصطفیٰ کھر کے ذمہ لگا دیا۔ غلام مصطفےٰ کھر اس وقت پنجاب کے گورنر تھے، انہوں نے اس وقت اپنی دہشت بٹھا رکھی تھی۔ ان دونوں نے ملک کے آرمی چیف جنرل گل حسن کو راولپنڈی ہیڈ کوارٹر سے گن

پوائنٹ پر اپنی کار میں بٹھایا اور لاہور تک پچھلی سیٹ پر غلام مصطفےٰ جتوئی اور ایک اور صاحب نے جنرل گل حسن کو اپنے درمیان میں گن تان کر بیٹھائے رکھا۔ اور کار کی ڈرائیوری غلام مصطفےٰ کھر گورنر پنجاب خود کر رہے تھے۔ اسی حالت میں جنرل گل حسن کو لاہور تک لے جایا گیا اور وہاں ان سے استعفیٰ لیا گیا۔ کہتے ہیں کہ دورانِ سفر غلام مصطفےٰ جتوئی کو کئی دفعہ اونگھ بھی آئی اور گن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی، مگر جنرل گل حسن نے گن پر ہاتھ ڈالنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ اس وقت فوج عوامی نمائندوں سے کسی بھی قسم کا اُلجھاؤ نہیں چاہتی تھی۔ مگر عوامی نمائندوں کی یہ حرکت فوج نے اپنے دل میں رکھی۔ اور پھر اس کا اظہار فوج نے ۱۹۷۷ء میں بھٹو صاحب کا تختہ اُلٹ کر اور پھر بعد میں پھانسی دیکر کیا۔ جنرل یحیٰ خان جو کہ سقوطِ ڈھاکہ کا ذمہ دار تھا، وہ بھٹو صاحب کے دورِ حکومت میں فوت ہوا۔ مگر فوج نے اس کو پورے اعزاز کے ساتھ سلامی دے کر دفن کیا۔

شریف برادران نے اب ایک اور شریف، جنرل راحیل شریف کو آرمی چیف بنا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ اب شاید یہ شریف اپنی شرافت کی وجہ سے ہماری ہر بات کو سنے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ مگر یہ ان کی بھول ہے۔ اس لئے کہ جنرل راحیل شریف ایک فوجی خاندان سے تعلق رکھتا ہے، وہ شریف برادران کو اُسی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جس نگاہ سے پوری فوج۔ اور ہماری فوج کو شروع ہی سے بتا دیا گیا ہے کہ یہ سب عوامی نمائندے ہماری وجہ سے فائز ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ ان عوامی نمائندوں کی کرپشن ہے۔ باقی رہا کہ آئین میں ترمیم کر کے فوج کا راستہ روک دیا گیا ہے، یہ ایک فرسودہ بات ہے، اس لئے کہ شریف برادران نے اپنے دوسرے دورِ حکومت میں آئین میں ترامیم کر کے اپنے لئے تو تاجِ شاہی تک کا انتظام کر لیا تھا۔ مگر ٹرپل ون بریگیڈ نے سب کچھ ملیا میٹ کر دیا تھا۔ چوہدری شجاعت حالات کا بہترین ادراک رکھتے ہیں ''ان کا کہنا ہے کہ مارشل لا کا راستہ نہیں روکا جاسکتا، یہ تو ''ٹرپل ون بریگیڈ'' کے ایک چھوٹے سے ایکشن کی مار ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم ہوں یا میاں محمد نواز شریف! یہ دونوں فوج کی پیداوار ہیں، ان دونوں کو فوج نے اپنے مقاصد کے لیے تربیت دے کر میدان سیاست میں اتارا، اور اقتدار کی مسند پر بٹھایا۔ ان دونوں نے فوج کو اقتدار کی سیڑھی کے لئے استعمال کیا۔ اور جب یہ دونوں اقتدار تک پہنچے تو فوج ہی کو انہوں نے پہلے نشانہ بنایا۔ مسٹر بھٹو مرحوم جو ایوب خان کو ڈیڈی کہا کرتے تھے وہی اس کا تختہ

اُلٹنے کا سبب بنے۔بعد میں فوج نے ان کا دھڑن تختہ کر دیا۔

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے نواز شریف کو دعا دی کہ ''میری زندگی بھی نواز شریف کو لگ جائے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ نواز شریف کا کلّہ بہت مضبوط ہے''۔مراد اس سے یہ تھی کہ فوج ان کے پیچھے کھڑی ہے۔لگتا ہے کہ نواز شریف صاحب اُسی دعا پر جی رہے ہیں،اسی لئے پرویز مشرف نے اس دعا کا خیال رکھتے ہوئے انہیں سعودی عرب بھیج دیا۔

نواز شریف جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی دعا اور مدد کی وجہ سے وزیر اعلیٰ پنجاب اور ان کی شہادت کے بعد فوج ہی کی کوشش سے ملک کے وزیر اعظم بنے۔مگر بعد میں وہ اسی فوج کو بھول بیٹھے۔ہم نے گزشتہ سال مئی کے الیکشن کے نتائج پر لکھا تھا کہ سمجھو! اب عمران خان کی باری لگ گئی ہے۔اس وقت کچھ لوگوں نے میری اس رائے کو مناسب نہ سمجھا،مگر اب وہی حضرات فرماتے ہیں کہ تم ٹھیک ہی کہتے تھے۔میں نے لکھا تھا کہ میاں نواز شریف اور بینظیر بھٹو مرحومہ کے درمیان جو میثاق جمہوریت ہوا تھا،اس کا تقاضا یہی تھی کہ دونوں باری باری حکومتوں میں آئیں۔جبکہ فوج یہ نہیں چاہتی تھی۔چونکہ الیکشن میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کر کے ان پارٹیوں کو ہرایا نہیں جا سکتا تھا،اس لئے انہیں باری لینے کا موقع دیدیا گیا۔راقم نے لکھا تھا کہ ان دونوں کو ناکام کرنے کی کوشش کر کے ثابت کیا جائے گا کہ یہ لوگ عوامی نمائندگی کے قابل نہیں ہیں،پھر عمران خان کو لایا جائے گا۔پیپلز پارٹی تو آصف علی زرداری صاحب کی قیادت میں اپنی باری لے چکی ہے۔آصف علی زردار کیسے بھی ہیں ان کو سیاست کرنی آتی ہے۔اس لئے کہ وہ سیاسی خاندان سے ہیں،اس کے والد اے،این،پی،میں بڑا وقت گزار چکے تھے۔نیز زرداری صاحب جاگیرداروں کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں،ان کے خلاف ان کے دورِ صدارت میں میڈیا اور ایجنسیوں سمیت جتنی بھی تحریکیں چلائیں،انہوں نے تمام تحریکوں کا سیاسی مقابلہ کیا اور اپنی باری کے پورے پانچ سال مکمل کئے۔جبکہ شریف برادران سیاسی نہیں کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں،یہ حضرات حکومت کو کاروباری طریقہ سے چلاتے ہیں،یہ شاید پانچ سال پورے نہ کر سکیں۔کیونکہ ان کی پارٹی کے اسمبلی ممبران کا اپنے ہی حلقوں کے معزز لوگوں کے ساتھ جو رویہ ہے،وہی ان کی باری کی مدت پوری نہیں ہونے دیگا۔باقی کا کام اب فوج نے سنبھال لیا ہے،اس نے ابھی سے عمران خان کو تیار کرنا شروع کر دیا ہے اور ان کے پیڈ کسنے شروع کر دیئے ہیں،اور نیٹ پریکٹس کے لئے گیارہ مئی کے دن کا انتخاب کیا ہے۔عمران خان ہاؤز دیٹ کی اپیل کر رہے ہیں۔ہو سکتا ہے کہ اس اپیل پر کوئی ایمپائر شریف برادران کو ایلبیو ڈبلیو دیدے۔

سید الطائفہ، قطب الاقطاب قطب العالم

مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

نفوس بنی آدم کی اقسام

حضرتؒ سے سوال کیا گیا کہ بعض بزرگوں سے کرامتوں کا صدور بکثرت ہوتا ہے اور بعض سے بہت کم، بلکہ بعض اولیاء اللہ سے ظہور کرامات ہوا ہی نہیں حالانکہ وہ کامل بزرگ ہوئے ہیں، اس کا سبب کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نفوس بنی آدم کی آٹھ قسمیں لکھی ہیں۔ چار تو اہل اصطلاح اور چار اہل تجاذب۔ نفس عالیہ بہیمہ شدیدہ کے ساتھ، نفس عالیہ بہیمہ ضعیفہ کے ساتھ، نفس سافلہ بہیمہ شدیدہ کے ساتھ اور نفس سافلہ بہیمہ ضعیفہ کے ساتھ۔ (۱) ان آٹھوں میں سے ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے۔ جس شخص کی قوت بہیمہ شدید ہے اس کو ریاضت شاقہ کی ضرورت ہے، اور اس کے کمال کی فتح باب بھوکا رہنے اور جاگنے میں اور ذلت اختیار کرنے میں ہے، اور ایسے شخص کے تمام آثار قوت کے ساتھ ہوتے ہیں اور توجہ کرنے اور ہمت لگانے سے عجیب طرح کی تاثیرات ظاہر ہوتی ہیں اور اس کو وجد اس شدت سے ہوتا ہے کہ اس کی مستی میں بالکل بے حواس ہو جاتا ہے اور کئی روز متواتر دنیا جہان سے بے خبر رہتا ہے اور جس شخص کی قوت بہیمیہ ضعیف ہوتی ہے اس کو تشویش پہنچاتی ہیں۔ اس کی فتح باب زیادہ ذکر کرنے میں اور اس میں دیر تک مشغول رہنے میں ہے لیکن اس کے خوارق کالعدم ہوتے ہیں یعنی اس سے:

(۱) اہل تجاذب نفس عالیہ بہیمہ شدیدہ (۲) اہل تجاذب نفس عالیہ بہیمہ ضعیفہ (۳) اہل تجاذب نفس سافلہ بہیمہ شدیدہ (۴) اہل تجاذب نفس سافلہ بہیمہ ضعیفہ (۵) اہل اصطلاح نفس عالیہ بہیمہ شدیدہ (۶) اہل اصطلاح نفس عالیہ بہیمہ ضعیفہ (۷) اہل اصطلاح نفس سافلہ بہیمہ شدیدہ (۸) اہل اصطلاح نفس سافلہ بہیمہ ضعیفہ۔

(دیکھئے ہمعات مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

کرامات کا صدور نہیں ہوتا۔ اور اس کا وجد بھی ضعیف ہوتا ہے کسی قسم کے درد یا حیا وغیرہ کے

عوارض سے جاتا رہتا ہے اور جس کی قوت ملکیہ عالیہ ہوتی ہے وہ نبوت اور فردیت اور بقا اور فنا وغیرہ کمالات عظیمہ کے واسطے مخصوص ہوتا ہے نیز زبان قدم کے ترجمان ہونے کے واسطے اور عالم تجرد سے خبر دینے کے واسطے مخصوص ہوتا ہے۔ اور جس شخص کی قوت ملکیہ سافلہ ہوتی ہے اس کی کوشش کا نہایت ثمرہ کشف اور اشراف اور انوار ملکیہ ہوتے ہیں۔ جس کو زیادہ شوق ہو وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ہمعات کا مطالعہ کرے اس میں ان سب اقسام بنی آدم کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہ کی توہین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے

فرمایا میں حیران ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو لوگ منافق اور کیا کیا کہتے ہیں اگر ایسا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت کیا ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو اتنا بہادر مانتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ان سے زبردستی بیعت لی گئی، پھر ان کی بہادری بھی کیا ہوئی کہ انہوں نے ڈر کر بقول ان لوگوں کے یعنی منافقین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت سے بڑے بڑے صالح اور باکمال لوگ ہوئے ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے بڑے صالح اور باکمال لوگ ہوئے ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر کوئی بھی مسلمان نہ ہو سکا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام پہلے سہی، اول آخر میں کچھ نہیں لیکن بہر حال صحبت تو سب نے اٹھائی۔ فرمایا کہ سفر حج میں ایک شیعہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ کا ذکر شروع ہوا تو میں نے صحبت پر یہی مضمون بیان کیا۔ الحمد للہ انہوں نے وہیں توبہ کی اور سنی مسلمان ہو گئے۔ اس پر مولانا محمد علی جالندھری نے فرمایا کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی یہی فرمایا کرتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو رہنے دو لیکن ان کو نہ ماننے سے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے اور ان کے کارناموں کو تاریخ اسلام سے نکال دیا جائے تو پھر تاریخ اسلام میں بھی کچھ نہیں رہ جاتا۔

برصغیر ہندو پاکستان میں بادشاہوں نے نہیں اولیاء اللہ نے اسلام کی اشاعت کی

فرمایا ہندوستان پر مسلمان بادشاہوں نے ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی، مگر ان میں سے اکثر عیش پرستی اور لذت پرستی میں مشغول رہے لیکن دین کے لئے کچھ نہیں کیا۔ ملک کی توسیع کے لئے فتوحات کرتے رہے اور احمد شاہ ابدالی کے متعلق تو یہاں تک مشہور تھا کہ ”کھادا پیتا لاہے دا

رہیا احمد شاہے دا''یعنی جو کھا پی لیا وہ اپنا ہے باقی احمد شاہ کا ہے۔اسی طرح اکبر بادشاہ نے تو بالکل نئے دین کی بنیاد رکھ دی۔دین کے لئے اولیاء کرام نے کام کیا ہے۔یہاں حضرت نے حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کا ایک ہندو راجہ کو مسلمان کرنے کا واقعہ سنایا۔اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے پند و نصائح سے بہت سے گروہ مسلمان ہوئے۔بہر حال اسلام کا کام تو اولیاء کرام نے ہی کیا ہے۔ہمارے بادشاہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اگر یہ حضرات توجہ کرتے تو اسلام کی بہت ترقی ہوتی اور ہندوستان میں مسلمان اکثریت میں ہوتے۔

نماز قضائے حاجت کی ترکیب اور اجازت

حضرت اقدس نے تقسیم ملک کے فسادات کے دنوں میں حافظ اللہ داد صاحب جھاوٗریاں والوں کو جبکہ وہ رائے پور شریف میں قیام پذیر تھے صلوٰۃ الحاجت پڑھنے کی تعلیم دی اور عام اجازت دی۔وہ اس طرح ہے کہ چار رکعت پڑھیں،پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد''**لا الٰـــہ الا انـــت سـجـانـک انـی کـنـت مـن الـظالمین. فاستجبناله و نجیناه من الغم و کذالک ننج الـمـئـومـنین** ''دوسری میں''**رب انـی مسـنـی الـضـرو انـت ارحم الـراحمین** ''سودفعہ پڑھیں،تیسری میں **وافـوض امـری الیٰ الـلـہ ان الـلـہ بصیر بـالعبـاد** اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد **حسبـنـاالـلـہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر** پڑھیں۔نماز کے بعد ''**رب انی مغلوب فانتصر** ''سودفعہ پڑھ کر نہایت الحاح سے دعا کریں۔ان شاءاللہ حاجت پوری ہوگی۔

حضرت کے زمانہ میں پنجاب کے لوگوں کی حالت

فرمایا تقسیم ملک سے پہلے پنجاب کے اضلاع لدھیانہ جالندھر وغیرہ بہت آباد تھے۔وہاں کے اکثر لوگ ایمانداری اور محنت سے کام کر کے تھوڑی سی زمین رکھتے ہوئے خوشحال تھے۔اور ادھر اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ دریائے جہلم کا اس طرف کا کنارہ تو چوروں سے اور دوسری طرف کا کنارہ حاسدوں اور قاتلوں سے بھرا ہوا تھا۔یعنی اکثر آبادی ایسے ہی لوگوں پر مشتمل تھی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر**

تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی قسط 43

مقدمۂ بہاولپور کی خصوصیت

گزشتہ شماروں میں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کی بنیاد میں غیر مقلدّین کا اہم کردار رہا ہے۔اس میں خصوصاً ان کے اوّل مکفّر مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم سر فہرست ہیں۔مگر بعد میں مرزا قادیانی سے اختلاف پر انہوں نے اس پر کفر کا فتویٰ جاری فرمایا،اور اس فتوے پر تمام ہندوستان کے اہم مفتیان کے دستخط کروائے۔

لیکن ان کو اپنے اس فتوائے تکفیر میں تذبذب تھا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بعد میں عدالتوں میں اس کفر کے فتوے کو واپس لیا۔اس میں غیر مقلدّین کے فاتح قادیان مولانا ثناءاللہ امرتسری مرحوم بھی پیش پیش تھے۔انہوں نے بھی اپنے استاد مولانا محمد حسین بٹالوی کے ہمقدم ہو کر عدالتوں قادیانیوں کا مسلمان تسلیم کیا۔یہی وجہ ہے کہ جن جن عدالتوں میں یہ غیر مقلد بزرگ بطور گواہ یا مختار کے پیش ہوئے،ان سب عدالتوں نے ان بزرگوں کا موقف سن کر انہی کی تشریح کے مطابق قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کر کے مقدمات خارج کر دیئے۔

۱۹۲۶ء سے لیکر ۱۹۳۴ء تک تنسیخ نکاح کا ایک مقدمہ بہاولپور کی عدالت میں چلا۔جس کی تفصیل گزشتہ ماہ کے شمارے میں آ چکی ہے۔اس میں علماء حق نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مقدمہ میں جج کے سامنے بذات خود حاضر ہو کر دلائل دیئے جائیں۔اس سے پہلے ایسا نہیں ہوا تھا۔

اور یہ وہی دن تھے کہ جن میں تحریک کشمیر چلائی جا رہی تھی،جس میں قادیانیوں کی اصل حقیقت قوم کے سامنے پیش کی جا رہی تھی۔اسی جرم کی پاداش میں مجلس احرار اسلام ہند کے رہنما جیلوں میں بند تھے۔اس کی تفصیل بھی آ چکی ہے۔چنانچہ اس مقدمہ میں بڑے بڑے مشاہیر علماء تشریف لائے،اور انہوں نے اپنے اپنے بیانات عدالت میں ریکارڈ کرائے۔

خاتم المحدّثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مقدمۂ بہاولپور میں شرکت

شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کی بلند ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں۔آپ کو مرزائی فتنہ کے رَدُ اور استحصال کی طرف خاص توجہ تھی۔جب حضرت شیخ الجامعہ صاحب ’’بہاولپور‘‘ کا خط شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا۔مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹ راگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبدالحنانؒ، خطیب اسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیت العلماء پنجاب و مولانا محمد صاحب انوریؒ لائل پوری فاضل دیوبند و مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانویؒ جو کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے والد تھے وغیرہ بھی ساتھ تشریف لائے۔۲۵ راگست ۱۹۳۲ء کو حضرت علامہ صاحبؒ کا بیان شروع ہوا پانچ دن تک روزانہ پانچ پانچ گھنٹے عدالت میں بیان فرماتے۔باوجودیکہ حضرت شدید بیمار تھے۔

اعمال نامہ کی سیاہی اور شفاعتِ پیغمبری کی امید

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ خاص راقم کے نانا شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد صاحب انوریؒ لکھتے ہیں کہ:

> ابھی فروری ۱۹۲۵ء میں مولانا غلام نبی صاحب فاروقی شرق پور سے تشریف لائے مولانا فاضل دیوبند اور حضرت شاہ صاحبؒ سے دورہ حدیث شریف پڑھا ہے۔تقریباً ۲۳ گھنٹے قیام فرمایا اور حضرت شاہ صاحبؒ کا تذکرہ فرماتے رہے، بڑے فاضل ہیں مردان کے علاقہ کے باشندے ہیں۔جب میں نے باچشم نم بہاولپور کے مقدمہ کا تذکرہ کیا اور یہ کہ حضرتؒ نے جامع مسجد بہاول پور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈھابیل جانے کے لیے سفر باندھ لیا تھا کہ مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ ’’تو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ‘‘ تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے کہ نبی کریم اکا

جانبدار ہو کر بہاپور میں آیا تھا، یہ سنتے ہی مولانا بے قرار ہو گئے اور رقت طاری ہو گئی۔(انوارانوری صفحہ۱۱۹)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا حافظہ

حضرت مولانا محمد صاحب انوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

آپ (حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ) کا حافظہ ضرب المثل تھا۔درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیتے تھے۔عموماً یہ دیکھا گیا کہ حَسْبُنَا اللّٰہ فرمایا اور کتاب کھولی، وہی صفحہ نکل آتا تھا اور شہادت کی انگلی اس عبارت پر ہی پڑتی تھی جہاں سے حضرت کو حوالہ کی عبارت سنانا ہوتی۔ناظرین حیران ہو جاتے تھے۔بہاولپور کے بیانات میں جب حوالہ نکالتے تو عموماً یہی ہوتا تھا۔

(۱) ایک دفعہ بہاولپور ہی میں ابی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا۔کتاب ہمارے پاس نہ تھی۔قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی۔حضرت نے فرمایا جج صاحب لکھئے ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا ہے یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے اس کو کہو عبارت پڑھے جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حَسْبُنَا اللّٰہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا۔وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ابی کی عبارت یہ ہے۔

((و فی العتیبة قال مالك بینا الناس قیام یستمعون لاقامة الصلوة فتغشاهم غمامة فاذا عیسی قد نزل))

(صفحہ۲۶۶ جلد۱، شرح مسلم للابی (مصری) اکمال اکمال المعلم)

(۲) وہیں بہاولپور ہی کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ''ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کا منکر بھی کافر ہے'' آپ کو چاہئے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں، کیوں کہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی۔حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ

علیہ نے فرمایا کہ جج صاحب لکھئے کہ میں نے تیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی۔اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے۔لا تجتمع امتی علی الضلالة ۔یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی۔اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارن پور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب (جو اس مجلس میں موجود تھے) حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے سن کر حیرت میں رہ گئے۔ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے،اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔بعینہٖ وہی عبارت نکلی جو حضرت نے پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی۔جج خوشی سے اچھل پڑا۔حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے۔حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ کا چہرہ مبارک مسرت سے کھل گیا۔(یہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کے مربی تھے اور مولانا احمد علی صاحبؒ لاہور کے پیر بھی تھے۔)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں۔میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں انشاءاللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

۳) حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے ایک اجتماع کیا تھا۔وہاں حضرت مولانا شیخ الہندؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ اکابر دیوبند وسہارن پور مدعو تھے۔ہزاروں علماء مجتمع تھے۔قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظرین عربی زبان میں تقریر کریں گے۔حضرت شاہ صاحبؒ بھی مدعو تھے۔حضرات نے حضرت شاہ صاحبؒ کو تیار کر دیا۔حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظرین عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے۔فی البدیہہ بولنا ہوگا اور نہ کاغذ کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے۔وہ لوگ تیار نہ ہوئے

(انوار انوری صفحہ ۳۱ تا ۳۳)

حضرت شاہ صاحبؒ کا عدالت میں بیان

اس مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے مختلف علمائے کرام نے اپنے اپنے طور پر دلائل پیش کئے۔جس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا غلام محمد صاحب گھوٹویؒ شیخ الجامعہ العباسیہ بہاولپور، مولانا ابی القاسم محمد حسین صاحبؒ مولانا فاضل کولوتاڑویؒ ضلع گوجرانوالہ، حضرت مولانا سید محمد مرتضٰی حسن چاندپوریؒ، مولانا محمد نجم الدین صاحبؒ پروفیسر اورنیٹیل کالج لاہور اور خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ شامل ہیں۔یہاں پر سب حضرات کے بیانات تو درج نہیں کئے جاسکتے البتہ اہل علم اور عوام الناس کی معلومات کے لئے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کا بیان درج کیا جاتا ہے چونکہ حضرت علامہؒ بذات خود مقدمہ کے موقع پر بیان دینے والے ان تمام علماء کے استاد تھے اس لئے صرف انہی کا بیان ہی کافی ہے۔

البیان الازھر للشیخ الاسلام السیّد محمد انورؒ

ایمان اور کفر کی حقیقت

کسی کے قول کو اس کے اعتماد پر باور کرنے اور غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر باور کرنے کو ایمان کہتے ہیں، اور کفر کہتے ہیں حق ناشناسی اور منکر ہو جانے کو یا مکر جانے کو۔ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے تواتر سے یا خبر احاد سے۔تواتر اسے کہتے ہیں کہ کوئی چیز ثابت ہوئی ہو نبی کریم سے جو ہم تک پہنچی ہو علی الاتصال کہ اس میں احتمال خطا کا نہ ہو۔

اقسام تواتر

تواتر ہمارے دین میں چار قسم کا ہے۔

(ا) **حدیث۔** من کذب علے متعمدا فلیتبواء مقعدہ من النار یہ حدیث متواتر ہے اور تیس صحابہ سے بسند صحیح مذکور ہے۔اس کو تواتر اسنادی کہا جائے گا۔نزول مسیح میں چالیس حدیثیں ہمارے پاس موجود ہیں۔جو متواتر ہیں اس کا کوئی انکار کرے وہ کافر ہے۔

۲۔ دوسری قسم تواتر کی تواتر طبقہ ہے یہ نہ معلوم ہو کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہوا کہ پچھلی نسل نے اگلی نسل سے لیا تھا۔ جیسا کہ قرآن شریف کا تواتر، اس تواتر کا منکر اور منحرف بھی کافر ہے۔ مسواک کا ثبوت بھی دونوں طرح سے متواتر ہے۔ اگر کوئی ترک کر دے تو چنداں وبال نہیں اور اگر اس کا کوئی انکار کر دے علم کے بعد تو وہ کافر صریح ہے۔ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ (جَو) حرام ہیں تو وہ کافر ہے۔ جو بحسب شریعت محمدیہ کوئی بڑی چیز نہ تھی۔ لیکن چونکہ پیغمبر نے جَو کھائے اور امت اب تک جو کھاتی آئی ہے۔ اس تواتر قطعی کا انکار کرنا کفر ہے۔

۳۔ تیسری قسم تواتر قدر مشترک ہے۔ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ وہ حصہ حاصل ہوا جو تواتر کو پہنچ گیا۔ مثال اس کی کہ معجزات نبی کریم ﷺ کچھ متواتر ہیں اور کچھ اخبار احاد ہیں۔ لیکن ان اخبار احاد میں ایک مضمون مشترک ملتا ہے۔ کہ وہ قطعی ہو جاتا ہے اس کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے۔ جیسے پہلے دو قسموں کا۔

۴۔ چوتھی قسم تواتر کی تواتر توارث ہے۔ یعنی جسے نسل نے نسل سے لیا ہو۔ جیسا کہ ساری امت اس علم میں شریک ہے کہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تواتر اس طرح سے ہے کہ بیٹے نے باپ سے لیا اور باپ نے اپنے باپ سے لیا۔ اس کا انکار بھی صریح کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جائے تو اسلام کی کوئی حقیقت نہیں رہ سکتی اور نہ کسی اور یقینی چیز کی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا مطلب بگاڑنا کفر صریح ہے۔ ردھے۔ مسموع نہیں ہے۔

متواترات کو تاویلات سے پلٹنا کفر صریح ہے

میں نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام کے صفحہ اوّل پر متواترات کے پلٹنے کی مثال دی ہے اس کا نام باطنیت ہے۔ اس کا نام زندیقیت ہے اور الحاد ہے۔

کفر کی اقسام

کفر کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی فعلی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہا ہے اور تیس چالیس سال کے بعد ایک دفعہ بت کا سجدہ کرے تو وہ کافر ہے اور تارک نماز

سے بدترک ہے۔یہ کفر فعلی ہے۔کفر قولی یہ ہے کہ مثلاً یہ کہہ دے کہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے صفتوں میں یا فعل میں یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور نیا نبی آئے گا تو یہ قولی کفر ہے۔

اختلاف مراتب

کوئی شخص اپنے مساوی رتبہ سے کہہ دے کہ کلمہ بکا تو کوئی چیز نہیں استاد اور باپ سے کہہ دے تو اسے عاق کہتے ہیں۔پیغمبر کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو یہ کفر صریح ہے۔قرآن مجید میں ہے کہ جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ پیغمبر سے آ کر مغفرت کی دعا کراؤ تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔اس کو بھی پیغمبر کے مقابلے میں قرآن نے کفر قرار دیا ہے۔کوئی شخص اگر بغیر نیت کے بطور ہنسی کے کلمہ کفر کہتا ہے تو وہ بھی کافر ہے اور اگر خطا سے نکل گیا ہے تو یہ معاف ہے۔ان کی تائید میں قرآن شریف کی آیت وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (سورۃ توبہ) اور لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ (سورۃ توبہ) ان دفعات اسلامیہ سے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں جو انکار کرے تو وہ خدا کا باغی ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

مرزائیوں کا اختلاف قانون اور اصول کا اختلاف ہے

اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے۔

علمائے دیوبند اور علمائے بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے، قانون کا نہیں۔

مرزا نے اسلام کے بہت سے اصول بدل دیئے ہیں

مرزائی مذہب والے نے مہمات دین کے بہت سے اصولوں کی تبدیلی کر دی ہے اور بہت سے اسماء کا مسمّٰی بدل دیا ہے۔

نبوت کے ختم میں ہمارے پاس کوئی دو سو احادیث ہیں اور قرآن مجید اور اجماع بالفصل ہے اور ہر پچھلے آدمی نے اس کو پہلے سے لیا ہے اور کوئی مسلمان جس کو تعلق ہوا اسلام کے ساتھ وہ اس عقیدہ سے غافل نہیں رہا۔اس عقیدہ کی تحریف کرنا اور اس سے

انحراف کرنا کفر صریح ہے۔اگر کوئی آیت قرآن میں ہے اور اس کی مراد پر اجماع صحابہؓ اور امت کا ہو تو اس سے انحراف کرنا اور تحریف کرنا کفر صریح ہے اور جو یہ کہا گیا ہے کہ امام احمدؒ نے کہا ہے **من ادعی الاجماع فھو کاذب** تو اس کی مراد یہ ہے کہ لوگ کہیں کہیں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اجماع نہیں، نہ یہ کہ کوئی چیز دین محمدی میں اجماع ہی نہیں ،ہم خود امام احمدؒ کی زبانی اجماع کو ثابت کر دیں گے۔

امت محمدیہ میں پہلا اجماع مدعی نبوت کے قتل پر ہوا

پہلا اجماع جو اس امت محمدیہ میں ہوا ہے وہ اس پر ہوا ہے کہ مدعی نبوت کو قتل کیا جاوے، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا۔صدیق اکبرؓ نے خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کے قتل کے واسطے صحابہؓ کو بھیجا، کسی نے اس میں تردّد نہ کیا۔یعنی جو خاتم النبیین ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرے تو وہ مرتد اور زندیق ہے اور واجب القتل ہے۔سنن ابوداؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس مسیلمہ کے قاصد آئے تھے آپ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ وہ نبی ہے۔اس پر انہوں نے کہا ہاں فرمایا طریقہ یہ ہے کہ دنیا کا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا، اگر یہ ہوتا تو آج تمہاری گردن مار دیتا۔
(باب الرسل صفحہ ۲۸۰ مطبوعہ لکھنو)

اس کے بعد معجم طبرانی میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو ان قاصدوں میں سے ایک کوفہ میں ملا۔حضرت فاروقؓ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ مسلیمہ کا نام لیتا تھا۔فرمانے لگے کہ اب تو یہ قاصد نہیں ہیں۔حکم دیا کہ ان کی گردن مار دی جائے۔یہ روایت بخاری کی کتاب کفالت میں بھی موجود ہے۔

(معجم طبرانی کتب خانہ مولوی شمس الدین صاحب مرحوم بہاولپوری ورق نمبر ۲۹)
جو روایت معجم طبرانی سے نقل کی گئی ہے وہ بھی سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔

اسلام میں ختم نبوت کا عقیدہ متواتر ہے

ختم نبوت کا عقیدہ دین محمد ﷺ میں متواتر ہے۔قرآن سے حدیث سے اجماع بالفصل سے، اور یہ پہلا اجماع ہے۔ہر زمانہ میں حکومت اسلامی نے اس شخص کو جس نے

دعویٰ نبوت کیا۔سزائے موت دی ہے۔(صبح الاعشاء صفحہ ۳۰۵ جلد ۱۳)پر ہے کہ ایک شاعر کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بفتوائے علماء دین اس شعر کے کہنے پر قتل کرا دیا تھا۔

و کان مبد ھذا الدین من رجل

سعی فاصبح یدعی سید الا مم

جس کا ترجمہ یہ ہے ’’کہ اس دین کا آغاز ایک ایسے شخص سے ہے جس نے کوشش کی اور امتوں کا سردار بن گیا۔اس شعر سے قرار دیا گیا کہ یہ نبوت کو کسبی کہتا ہے جو ریاضتوں سے حاصل ہو سکتی ہے اس لئے اس قتل کر دیا گیا۔

ختم نبوت کی آیت

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ جس کا معنی یہ ہے کہ محمد ﷺ تم بالغوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔لیکن رسول ہیں اللہ کے پیغمبروں کے ختم کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کا علاقہ دائماً دنیا سے منقطع ہے اور اس کے عوض رسالت اور نبوت کا علاقہ دائماً ثابت ہے۔گویا ساری جگہ نبوت اور رسالت محمد ﷺ نے گھیر لی ہے کوئی جگہ خالی نہ رہی احادیث تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ یہ عہدہ منقطع ہو گیا ہے نبی کریم ﷺ اشخاص نبوت کے بھی خاتم ہیں‘‘ اور آپ کے تشریف لانے سے نبوت کا عہدہ بھی منقطع ہو گیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا علامت ہے اس بات کی کہ انبیاء کے عدد میں کوئی باقی نہیں رہا۔اس لئے پہلے نبی کو لانا پڑا۔

مرزا کا قول کتاب ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۶ پر ہے اور چونکہ میں ظلّی طور پر محمد ﷺ ہوں۔پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد ﷺ تک ہی محدود رہی۔یعنی بہر حال محمد ﷺ ہی نبی رہا اور کوئی نہیں۔مطلب یہ ہے کہ میں آئینہ بن گیا ہوں۔محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر مجھ میں اتر آئی ہے۔اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹی‘‘ میں کہتا ہوں کہ یہ تمسخر و استہزاء ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے،

گویا مطلب یہ ہوا کہ مہر لگی رہی اور مال میں سے مال چرایا گیا، کبھی کہتا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ان کی مہر لگانے سے اور ان کی منظوری سے اور شخص بھی نبی بن سکتے ہیں۔میں کہتا ہوں کہ یہ بھی دین سے تمسخر ہے اور استہزاء ہے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۷ پر ہے) آپ کی پیروی سے نبوت بخشی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔

چند شبہات کے جوابات

علماء اسلام کا یہ قول ہے کہ اگر کسی کے کلمہ کفر میں ۹۹ / احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو تو ۹۹ کو نظر انداز کیا جاوے۔اس کی مراد یہ ہے صرف ایک ہی کلمہ کسی کا پایا گیا ہو اور اس کے حالات معلوم نہ ہوں۔اس وقت یہ صورت ہوگی اور اگر حالات معلوم ہوں اور وہ بیس سال عبادت کرے اور کلمہ کفر بولے وہ کافر ہے۔

تکفیر اہل قبلہ

(۲) یہ مسئلہ جو مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔اس کے معنے حسب تصریح علماء یہ ہیں کہ کل متواترات اور ضروریات دینی پر ایمان رکھتا ہو۔گویا اہل قبلہ کا لفظ ایک عنوان ہے۔(عالمگیریہ صفحہ ۴۲۰ جلد ۲ کتاب السیر اور ردالمختار پر صفحہ ۴۴۷ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۸۹) میں نے شروع میں کہا تھا کہ اجماع کا منکر کافر ہے اور اجماع صحابہؓ کا قطعی ہے و ابن تیمیہؒ کی کتاب اقامتہ الدلیل صفحہ ۱۳۰ جلد ۳ میں ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اجماع صحابہ کا اتباع واجب ہے بلکہ وہ قوی ترحجت ہے اور دوسری صحبتوں پر مقدم ہے۔اسلام شناخت ہے مسلمانوں کی اور مسلمان شناخت ہیں اسلام کی۔اگر اجماع کو درمیان سے اٹھا دیا جاوے تو دین گر گیا۔(بخاری صفحہ ۱۲۰۴ جلد ۲) میں ہے۔اس کتاب کے اسی صفحہ پر یہ حدیث ہے۔ فان له اصحاب کہ اس کی ذریت میں سے قوم نکلے گی جوان کی نماز روزہ کے سامنے تمہارے یعنی صحابہؓ کی نماز روزہ ہیچ ہونگے اور جھٹ سے نکل جاوینگے دین سے جیسے تیر نکل جاتا ہے شکار سے اور ایک اور حدیث میں ہے اگر میں نے اس کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح انہیں قتل کر دوں گا۔حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول کہ گنہگار کی

تکفیر نہیں چاہئے تو گناہ سے وہ گناہ مراد ہے جو حد کفر تک نہیں پہنچا۔ جو کلمات یا افعال کفر کے ہیں ان سے ہر طرح سے تکفیر کی جائے۔ ایسے گناہ مثلاً زنا، شراب خوری سے تکفیر نہیں ہوگی کہ اگر کوئی شخص نماز کو دانستہ طور پر ترک کر دے وہ کافر نہیں۔ فاسق اور سخت عاصی ہے اور اگر تأویل کر جائے کہ اس سے کوئی اور چیز مراد ہے تو وہ قطعاً کافر ہے۔ نماز کی فرضیت کا منکر نہ ہو اور صرف تارک ہو تو وہ فاسق ہے اور اگر دانستہ ایک دفعہ قبلہ سے پھر کر نماز پڑھے تو وہ کافروں سے بدتر کافر ہے۔ جس کا الاؤ ہو اسلام کے ساتھ جہنم کے کافروں سے کیوں کہ اصل کافروں سے نفع ہوتا ہے اور دوسروں سے پونجی جاتی ہے۔

شیطان کا کفر

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ نہ خدا کی تکذیب کی نہ پیغمبر کی جیسے ابلیس نہ خدا کی تکذیب کی نہ آدم کی۔

کافر، منافق اور زندیق میں فرق

جو اس دین محمدی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ جو اندر سے منکر ہو اور بظاہر مقر ہو وہ منافق ہے اس کا حکم کافروں سے اشد ہے اور جو زبان کے اقرار کے بعد دین کے اصول بدلائے وہ زندیق ہے۔ اور یہ دونوں قسموں سے شدید ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں۔

من انکر شیاء من شرایع الاسلام الخ (احکام الفرقان صفحہ ۵۳)

جس نے اسلامی امور میں سے کسی امر کا انکار کیا تو اس کے کلمہ لا الہ الا اللہ الخ کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔

ایمان، کفر اور ارتداد کے معنی

اس وقت تک جو اجمالی طور پر کفر و اسلام کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معنی ارتداد کے یہ ہیں کہ اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہہ کر اور ضروریات و متواترات سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جاوے۔ اور ایمان یہ ہے کہ آنحضرت صلعم

خدا تعالیٰ سے جس چیز کو لائے ہیں اور اس کا ثبوب بدیہات اسلام سے ہے۔ ہر مسلمان عام و خاص اس کو جانتے ہیں، اس کی تصدیق کرنا۔ عبارت ذیل سے یہ دونوں مضمون ثابت ہیں۔ درمختار بر حاشیہ شامی جلد ۳ صفحہ ۲۸۳ باب المرتد هو الراجع عن دين الاسلام الى قوله مما علمه عن مجيه ضرورة یعنی مرتد وہ ہے جو پھر جائے دین اسلام سے اور رکن اس کا ایمان کے بعد زبان پر اجراء کلمۃ الکفر ہے۔ اور ایمان تصدیق ہے آنحضرت صلعم کی ان تمام چیزوں میں جو وہ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور ثبوت ان کا بدیہی ہے۔ (اشباہ النظائیرہ صفحہ ۲۶۷) الايمان الى قوله ما ادخله فيه یعنی ایمان تصدیق ہے آنحضرت ﷺ کی جملہ ان چیزوں میں جو وہ لائے، اور ثابت ہو گیا ہے پورے تواتر سے، کفر تکذیب ہے۔ آنحضرت صلعم کی کسی ایک چیز کی دین میں جو ہدایت سے ثابت ہو کافر نہیں ہوگا۔ کوئی اہل قبلہ مگر ساتھ انکار کرنے اس چیز کے جسے اس نے ایمان میں داخل کیا تھا۔

ضروریات دین کی تعریف

ضروریات دین وہ ہیں جسے خواص و عوام پہچانیں کہ یہ دین سے ہیں جیسے اعتقاد توحید و رسالتہ و خمس صلوات ویسے ہی اور چیز ہیں۔

(شامی صفحہ ۲۴۷ جلد اول باب الامامت)

مرزائی توجیہات کے جوابات

جو لوگ ضروریات دین کے منکر ہو جاتے ہیں وہ عموماً اپنے کفر کے چھپانے کیلئے مختلف تأویلیں اختیار کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، کبھی کہتے ہیں کہ ہم ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتے ہیں اور تبلیغ اسلام میں سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں کیسے خارج از اسلام کہا جاتا ہے، کبھی کہتے ہیں کہ بتصریح فقہا اگر ایک شخص کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی موجود ہو تو مفتی کا فرض ہے کہ اسی ایک وجہ کو اختیار کر کے اسے مسلمان کہے اور کفر کا حکم نہ لگائے۔ پھر ہمیں کیسے خارج از اسلام کہا جاتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ بتصریح فقہا جو شخص کلمہ

کفر کسی تاویل کی بنا پر کہے اسے کافر نہیں کہا جاتا۔ان چاروں شبہات کے جواب بالترتیب یہ ہیں۔

۱) پہلی بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں یہ لاعلمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔کیونکہ حسب تصریح واتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معنی نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے چاہے سارے عقائد اسلامیہ کا منکر ہو۔قرآن نے منافقین کو تمام کفار سے زیادہ بدتر کافر ٹھہرایا ہے۔حالانکہ وہ نہ صرف قبلہ کی ہی طرف منہ کرتے بلکہ تمام ظاہری احکام کو ادا کرتے تھے۔قرآن کا ارشاد ہے:

لَیۡسَ الۡبِرَّاَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِب اس مضمون کی تصریح کتب ذیل میں موجود ہے۔(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۷۹)

یعنی جان لے کہ اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اتفاق کیا ضروریات دین پر جیسے حدوث عالم۔حشر اجساد۔علم اللہ کا کلی وجزئی کے ساتھ اور ایسے دوسرے مسائل مہمہ۔پس جس نے مداومت کی تمام عمر طاعات وعبادات پر باوجود اعتقاد قدم عالم کے اور نفی حشر کے اور جزیات مادیات کے ساتھ علم الٰہی کی نفی کی، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں ہے۔اور یہ جو مسئلہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا جب تک علامات کفر اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔تقریر شرح تحریر الاصول صفحہ ۳۱۸ جلد ۳ میں ہے.... والمراد... قطعاً یعنی مراد مبتدع سے وہ ہے جو اپنی بدعت کی وجہ سے کافر نہیں اور ویسے ہی گنہگار اہل قبلہ سے وہ شخص مراد ہے جو ضروریات دین کے موافق ہے جیسے حدوث عالم وحشر اجساد سوائے اس کے کہ اس سے کوئی چیز موجبات کفر سے صادر ہو۔اس کتاب کے اسی صفحہ پر ہے۔کافر نہ کہنا اہل قبلہ کا کسی گناہ سے تصریح کی ہے، اس کو ابو حنیفہؒ نے فقہ اکبر میں فرمایا ہے ہم کافر نہیں کہتے کسی کو گناہ کی وجہ سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہو بشرطیکہ اسے حلال نہ سمجھے۔جیسے کہ متقی حاکم شہید کی کتاب میں ہے:

دوسرا شبہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز، روزہ حج زکوۃ اور تمام ارکان اسلام کے

پابند ہیں اور تبلیغ اسلام میں مساعی ہیں پھران کو کیسے کافر کہا جاتا ہے اس کا صحیح بخاری کی حدیث میں ہے۔ کتاب استتابہ المعاندین والمرتدین صفحہ ۱۰۲۴ جلد ۲ باب قتال الخوارج صفحہ ۱۲۴ جلد ۲ میں جواب ہے جس کو میں اپنے بیان میں کہہ چکا ہوں۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائیں گے اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ لوگ نماز، روزہ کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع وخضوع کی حالت یہ ہوگی کہ مسلمان اپنی نماز روزہ کو ان کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جب بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا تو ان کی نماز ان کو کفر سے نہ بچا سکے گی۔

تیسرا شبہ یہ کہا جاتا ہے کہ فقہاء نے ایسے شخص کو مسلمان کہا ہے جس کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں اور صرف ایک اسلام کی ہو، تو جواب یہ ہے کہ ان کا منشا بھی یہ ہے۔ بعض فقہاء کے کلمات دیکھ لئے گئے اور ان کے معنے سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی اور نہ وہ ان کے اقوال دیکھے۔ جس میں تصریح ہے کہ یہ حکم عموم پر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے کہ جب قائل کا صرف ایک کلمہ مفتی کے سامنے آئے اور قائل کا دوسرا کوئی حال معلوم نہ ہو اور نہ اس کی کلام میں تصریح ہو۔ جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو اس حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط کرے اور اگر کوئی ضعیف سے ضعیف احتمال ایسا نکل سکے جس کی بنا پر یہ کلام اور کلمہ کفر ہونے سے بچ جائے تو اس احتمال کو اختیار کر کے اسے کافر نہ کہے لیکن اگر ایک شخص کا کلمہ کفر اس کی سینکڑوں تحریرات میں بعنوانات والفاظ مختلف ہو۔ جس کو دیکھ کر یقین ہو جائے کہ یہ شخص بھی معنے کفری سے مراد لیتا ہے یا وہ خود اپنی کلام میں معنے کفر کی تصریح کر دیتا ہے تو باجماع فقہا اسے مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ اور قطعی طور پر اس شخص کے لئے فتویٰ کفر لگایا جاوے گا۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب السیر آخر الباب التاسع صفحہ ۴۲۰ میں ہے۔

اذا کان۔ الی قولہ کذا فی بحر الرائق یعنی جب مسئلہ میں کئی وجوہ موجب کفر ہوں اور ایک وجہ مانع کفر ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اسی ایک وجہ کی طرف مائل ہو اور ایسا

ہی ہے۔خلاصہ بزاریہ میں۔مگر جب تصریح کردے ایسی مراد کی جوموجب کفر ہے تو اس وقت کوئی تاویل نفع نہ دے گی۔ایسا ہی بحرالرائق میں۔

شبہ چہارم میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ موجب کفر کہا جائے تو کفر نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ اس میں بھی تصریح فقہا سے ناواقفیت کا اظہار ہے۔فقہاء اور متکلمین کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اسی کلام اور اسی چیز میں مانع تکفیر ہوسکتی ہے۔جوضروریات دین ہے۔جوضروریات دین سے نہ ہولیکن اگر کوئی ضروریات میں تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی نئے معنے تراشے تو بلاشبہ اسے کافر کہا جائے گا۔اسے قرآن مجید الحاد کہتا ہے اور حدیث نے اس کا نام زندیق رکھا ہے۔زندیق اسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے الفاظ کی حقیقت بدل دے۔

محمد بن ابوبکر حاکم مصر نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ دو مسلمان زندیق ہوگئے ہیں ادھر سے جواب دیا گیا کہ وہ توبہ کرلیں تو فبہا۔ورنہ انہیں قتل کرو۔رواہ الشافعی والبیہقی واخذتہ من کنز العمال۔زندیق فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی میں لیا گیا علماء کے نزدیک کتابوں میں اس کا نام باطنیت آتا ہے یہ تینوں چیزیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں اور کفر صریح ہیں۔معانی الاثار صفحہ ۷۹ جلد ۲ کتاب الحدود باب حد الخمر میں امام طحاویؒ نے حضرت علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اہل شام کی ایک جماعت نے شراب پی اور آیت کریمہ۔لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا وَعَمِلُوۡا الصَّالِحَات ۔کی تحریف کرکے شراب کو حلال قرار دیا۔اس وقت یزید بن ابی سفیان حاکم شام نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔حضرت عمرؓ نے لکھا کہ ان کو گرفتار کرکے یہاں بھیج دو۔جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو صحابہ اور تابعین سے اس معاملہ میں مشورہ ہوا اور یہ رائے قرار پائی۔یا امیر المومنین!

تری انھم قد کذ بوا علی اللّٰہ تعالیٰ و شرابوا فی دینھم مالم یأذن بہ اللّٰہ فاضرب اعناقھم۔

یعنی اللہ تعالیٰ پر انہوں نے اقرار کیا اور دین میں ایک ایسی بات جاری کی ہے

کہ خدا تعالیٰ نے اس کی کوئی اجازت نہیں دی۔لہٰذا ان کی گردنیں ماری جائیں۔لوگوں نے یہ رائے پیش کی لیکن حضرت علیؓ ساکت تھے۔عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ آپ انہیں کہیں کہ اس سے توبہ کرو۔اگر توبہ کریں تو ایک ایک کو ۸۰۔۸۰ کوڑے لگوائے اور اگر توبہ نہ کریں تو ان کی گردنیں مار دی جائیں۔کیونکہ یہ لوگ اللہ پر افترا کرتے ہیں۔اور دین میں ایسی بات جاری کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی اجازت نہیں دی۔یہ واقعہ حافظ بن حجر نے فتح الباری صفحہ ۳۲۴ میں بحوالہ مسند عبدالرزاق ومصنف بن ابی شیبہ نقل کیا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ شرعی لفظ کو بحال رکھنا اور اس کی حقیقت کو بدل دینا اور معاملہ ہو متواترات کا تو یہ کفر صریح ہوگا۔ان لوگوں نے قرآن کی تکذیب نہ کی تھی بلکہ ایک بیجا تاویل کی تھی جس پر قتل کر دیئے گئے۔

وزیر محمد بن ابراہیم یمانی ایثار الحق عن الخلق کے صفحہ ۴۴۵ پر لکھتے ہیں:

مثل الی قوله عن سلفها یعنی جیسے کفر زنادقہ اور ملحدوں کا انہوں نے کھیل اور تمسخر کیا قرآن کی سب آیتوں کے ساتھ اور تاویل کی آیتوں کی۔ان باطنی چیزوں کے ساتھ جس پر نہ لفظوں کی دلالت ہے نہ نشان ہے اور نہ سلف صالحین کا اشارہ ہے۔ان ملحدوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو ان کی ہم صفت ہوں۔شرع کے نشان مٹانے اور بدیہی علوم کے رد کرنے میں جس کو اگلی نسلوں سے پچھلی نسلوں نے لیا۔

یہاں تک میرے بیان سے اصولی طور پر کفر اور ایمان کی شرعی حقیقت اور یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک مسلمان کس قسم کے اقوال یا افعال کی وجہ سے کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

مستورات تراویح کیسے پڑھیں؟

2

مولانا عبدالغنی صاحب

عورتوں کی جماعت مردوں کی امامت

1۔ حضرت ابی بن کعبؓ تراویح میں عورتوں کی امامت کراتے تھے (روایت کیا اس کو عبداللہ بن احمد اور ابولیلی اور طبری نے اور اس کی اسناد حسن ہیں)۔

2۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمس امیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول ﷺ رات ایک بات ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا کیا بات ہوگئی؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں (اگر ہم میں کوئی حافظہ قاریہ ہوتی تو ہم اس سے تراویح میں قرآن سن لیتیں آپ قاری قرآن ہیں) اس لیے ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گی اور تمہاری اقتدا کریں گی، تو میں نے ان کو وتر اور نماز تراویح پڑھادیں آپؐ نے یہ سن کر سکوت کیا۔ گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ (مرکوزی قیام اللیل ۹۲)

3۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اپنی ہمشیرہ حضرت عائشہؓ کو نماز تراویح پڑھاتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جس دن وہ موجود نہ ہوتے تھے تو اس دن ان کا غلام ذکوان بھی ان کو نماز تراویح پڑھادیتا تھا۔ (المنتقی ج ۱/ ۲۰۷)

4۔ حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری اپنی کتاب التوضیح التراویح میں صفحہ نمبر ۷۶ پر رقم طراز ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال ۱۴ھ میں جماعت تراویح کی سنت کو بطریق تشریح زندہ کیا۔

اس سلسلہ میں تمام مرد حضرات کو حکم فرمایا کہ وہ حضرات ابی بن کعبؓ انصاری کے پیچھے نماز تراویح پڑھیں۔ اور مستورات کو حکم فرمایا کہ وہ حضرت تمیم داریؓ کی اقتدا میں مجتمعاً صلوۃ التراویح ادا

کریں۔اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بیہقی کی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت تمیم داریؓ کے بعد حضرت سلیمان بن ابی حثمہ اور سلیمان کے بعد عرفجہ ثقفی بھی یکے بعد دیگرے خواتین کی امامت کرتے رہے۔(سنن الکبریٰ ۴۹۴ ج ۲)

مندرجہ بالا احادیث، آثار واقوالِ ائمہ مجتہدین کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ التراویح کے لیے عورت کی امامت بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ دوسری مستورات کے ساتھ درمیان میں کھڑی ہو، البتہ اگر کوئی عورت مردوں کی طرح آگے الگ منفرد کھڑی ہوکر امامت کرائے تو ناجائز اور منع ہے۔لہٰذا رمضان المبارک میں نماز تراویح کے لیے اگر کسی جگہ چند مستورات ہوجاتی ہیں اور کوئی حافظہ قاریہ ان کے وسط میں کھڑی ہوکر انہیں نماز تراویح میں قران سنائے تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز اور مستحسن ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہؓ وحضرت ام سلمہ وحضرت ام ورقہ اورام الحسن بصری کرتی تھیں۔

امامت عائشہؓ

الصديقة بنت الصديق و حبيبة حبيب الله المبراة من السماء

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی امامت کا ثبوت احادیث واقوال میں مدلل ہوچکا۔ مثلاً (۱) دارقطنی میں فرائض کی امامت کا تذکرہ ہے۔(۲) ابن ابی شیبہ میں صرف امامت کے الفاظ ہیں۔(۳) محلی میں نماز مغرب جہری قراء ت سے پڑھنا موجود ہے۔(۴) کتاب الآثار وعبدالرزاق، ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رمضان المبارک یعنی نماز تراویح میں امامت کرانے کی وضاحت موجود ہے۔

امامت ام سلمہؓ

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی امامت کا ثبوت بھی مذکور ہوچکا ہے۔(جنکا فقہی مسائل اور فتاویٰ میں حضرت عائشہؓ کے بعد درجہ ہے۔(طبقات ابن سعد ۱۲۶/ج ۲)

مثلاً (۱) عبدالرزاق میں حضرت ام سلمہؓ نماز عصر پڑھانا۔(۲) محلی میں بھی عصر کے الفاظ ہیں۔ (۳) ابن ابی شیبہ میں امامت کا تذکرہ ہے۔(۴) عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں کہ جس

طرح حضرت عائشہؓ یعنی تراویح تراویح میں امامت کراتی تھیں اسی طرح حضرت ام سلمہؓ بھی رمضان یعنی تراویح میں امامت کراتی تھیں۔

امامت ام ورقہؓ

حضرت ام ورقہؓ کی امامت تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے ثابت ہے جس کا اجمالی ذکر آپ پڑھ چکے ہیں اور اس کی تفصیل حاضر خدمت ہے جو حقیقت اور عقل و نقل کے عین مطابق ہے۔

(۱) جب ہم حدیث ام ورقہ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حافظہ، قاریہ نظر آتی ہیں۔ علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اسی لیے رحمت دو عالم ﷺ نے ان کو امامت کرانے کا حکم صادر فرمایا یہ ان کے لیے سب سے بڑا اعزاز تھا۔

(۲) حاکم کی روایت میں یہاں تک ذکر ہے کہ وہ فرائض میں بھی امامت کراتی تھیں۔

(۳) ابوداؤد شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام ورقہؓ نے رمضان المبارک میں ہادیٔ عالم ﷺ دو اجازتیں طلب کیں۔ ایک غزوہ بدر (جو رمضان میں ہوا) میں شریک ہونے کی اجازت مانگی جس کی آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور فرمایا اللہ تجھے گھر میں رہتے ہوئے شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے گا۔

گویا آپ ﷺ نے شہادت کی بشارت دی اس لئے وہ شہیدہ کہلاتی تھیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اپنے غلام اور باندی کے ہاتھوں ظلماً شہید ہوئیں۔

دوسری اجازت امامة للصلوٰة التراویح طلب کی کانت قد قرء ت القرآن فاستاذنت النبیؐ. حدیث کے یہ الفاظ واضح ہیں اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ام ورقہ حافظہ و قاریہ تھیں اور انہوں نے اجازت بھی رمضان میں مانگی تو حافظہ، قاریہ کا رمضان میں امامت اجازت طلب کرنا دراصل تراویح میں قران سنانے کی اجازت طلب کرنا ہے۔ جس پر محسن انسانیت ﷺ نے شہیدہ کے لیے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور مزید یہ کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرما دیا جو ان کے لیے اذان دیتا تھا اور ان کا مقصد بھی یہی سمجھ آتا ہے کہ جو مستورات نماز تراویح میں قرآن سننے کے

لیے شریک ہونا چاہتی ہیں وہ آجائیں۔

جیسا کہ طالب ہاشمی تذکار صحابیات میں حضرت ام ورقہ کے حالات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ چونکہ وہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اس لیے حضور ﷺ نے ان کو عورتوں کا امام مقرر فرمایا تھا۔ اور انہوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ جہاں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کی درخواست پر ایک مؤذن بھی مقرار فرمادیا تھا۔ ان کی آواز سن کر عورتیں نماز باجماعت ادا حضرت ام ورقہؓ کے گھر آجاتی تھیں۔

(تذکارہ صحابیات ص ۳۸۷)

چنانچہ حضرت ام ورقہ ؓ آپ ﷺ کے حکم سے امامت کراتی تھیں۔

امامت حضرت ام الحسن بصریؓ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ماثبت بالسنۃ میں جو روایت نقل کی ہے (جیسا کہ دلیل ۲۵) میں ہے۔ عورتوں کی جماعت اور امامت کو ثابت کرتی ہے۔

شیخ فرماتے ہیں (کانت تقوم بجماعۃ النساء) حضرت ام سلمہؓ دوسری خواتین کے ساتھ جماعت کے طور پر اپنی باندی حضرت ام الحسن بصریہ کی امامت میں نماز تراویح پڑھتی تھیں یعنی ان کی باندی امامت کراتی اور یہ ان کی اقتدا کرتی تھیں۔

اس روایت میں (بجماعۃ النساء کے واضح الفاظ موجود ہیں یعنی عورتوں کی جماعت پھر اس جماعت میں خود ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کا شریک ہوکر نماز تراویح پڑھنا عورتوں کی جماعت اور امامت کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

گزشتہ سطور میں حضرت ام سلمہؓ کا دوسری خواتین کی امامت کرانا ثابت ہوا اور یہاں عملی طور پر دوسری خواتین کے ساتھ صف میں کھڑی ہوکر اپنی باندی ام الحسن کو امام بنا کر خود اقتدا کرنا ثابت ہوگیا، تو ثابت ہوگیا کہ عورت کا امام بننا بھی جائز ہے اور عورتوں کی جماعت اور اس میں شریک ہونا بھی جائز ہے۔

کاش کوئی حافظہ ہوتی تو تراویح میں قرآن سناتی

حضرت جابرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تراویح میں قرآن سننے سنانے کے لیے مستورات کی جماعت عورت کا امام بننا جائز ہے۔

صحابیات قیام رمضان (یعنی نماز تراویح میں قرآن) کی اہمیت کو جانتی تھیں اس لیے وہ چاہتی تھیں کہ ہم بھی مردوں کی طرح طرح تراویح میں قرآن کی برکات حاصل کریں۔

چنانچہ خواتین نے مل کر حضرت ابی بن کعبؓ سے کہا کہ ہمیں قرآن یاد نہیں ہے یعنی ہم میں کوئی حافظہ نہیں ہے اگر ہم میں کوئی حافظہ قاریہ ہوتی تو ہم اسی کو امام بنا کر اس کی اقتدا میں نماز تراویح ادا کرتے لیتیں۔

ہماری یہ مجبوری اور پریشانی ہے جس کی وجہ سے ہم درخواست کرتی ہیں کہ آپ چونکہ حافظ قرآن ہیں اس لیے ہمیں نماز تراویح پڑھا دیں۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں نماز تراویح پڑھائی اور اس میں قرآن سنایا۔

حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اگلے دن حضرت ابی بن کعب کو پوچھا ہوگا رات کیوں نہیں آئے جس کے جواب حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ رات ایک بات ہوگئی تھی یعنی خواتین نے مل کر میرے سامنے ایک ایسا عذر کیا کہ میں ان کو جواب ہی نہ دے سکا، ان کا کہنا تھا کہ ہم میں کوئی حافظہ نہیں ہے ہم نماز تراویح کیسے پڑھیں؟

تو میں نے ازراہِ ہمدردی ان کو نمازِ راویح پڑھا دی حضور ﷺ نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی یعنی آپؐ نے ابی بن کعبؓ کے عمل کو پسند فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورتیں جانتی تھیں کہ عورتوں کی جماعت اور امامۃ النساء جائز ہے اس لیے کہ اگر کسی حافظہ کے لیے تراویح میں قرآن سنانا ناجائز یا منع ہوتا تو ان خواتین کو یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ ہم میں سے کوئی حافظ نہیں ہے۔

تو ثابت ہوگیا کہ اگر ان میں کوئی حافظہ ہوتی تو وہ مستورات ضرور اس کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھتیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ جانتے تھے کہ امامۃ النساء جائز ہے ورنہ ان کو ان خواتین سے کہتے اگر تم میں کوئی حافظہ ہوتی بھی تو کیا فرق پڑتا تھا عورتوں کے لیے تو جائز ہی نہیں ہے کہ جماعت سے نماز پڑھیں اور کوئی عورت ان کی امامت کرائے اور تراویح میں قرآن سنائے۔

حضرات بی ابن کعبؓ کی خاموشی امامۃ النساء کے جواز کی علامت ہے۔

رحمت دو عالم ﷺ کا حضرت ابیؓ سے ان خواتین کی یہ بات سن کر خاموشی اختیار کرنا گویا امامۃ النساء کی اجازت مرحمت فرمانا ہے ورنہ آپ ﷺ حضرت ابیؓ سے کہتے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ان میں کوئی حافظہ بن گئی تو وہ تراویح میں قران ضرور سنائے گی میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اے ابی بن کعبؓ! ان سے کہہ دو اگر میں کوئی حافظہ ہو بھی گئی تو وہ تراویح میں قرآن نہیں سنا سکتی اس لیے کہ عورتوں کی امامت منع۔ جب آپ نے یہ حکم ارشاد نہیں فرمایا تو ثابت ہو گیا کہ آقا ﷺ کی خاموشی امامۃ النساء کے جواز کی علامت ہے۔

سوال: علامہ شامی عورت کی امامت کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔

علامہ شامی لفظ (توسط) پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عورت کے (تقدم) یعنی مردوں کی طرح آگے ہو کر امامت کرانے میں کراہت زیادہ ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

اور (وسط) یعنی درمیان میں کھڑی ہو کر امامت کرنے میں کراہت کم ہے۔ یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔

علامہ شامی کا یہ موقف کہاں تک درست اور صحیح ہے؟

جواب: علامہ شامی کا موقف (۱) کہ عورت کا آگے ہو کر امامت کرانا مکروہ تحریمی ہے۔ بالکل درست اور صحیح ہے کیونکہ کسی حدیث سے عورت کا تقدم کی شکل میں امامت کرانا ثابت نہیں ہے۔ البتہ موقف (۲) کہ درمیان میں کھڑی ہو کر عورت کا امامت کرانا مکروہ تنزیہی ہے۔

سب سے پہلی اور اہم بات تو یہ ہے کہ علامہ شامی نے وضاحت فرما دی کہ عورت کا وسط میں کھڑی ہو کر امامت کرانا مکروہ تنزیہی ہے۔ مکروہ تنزیہی کا مطلب ہوتا ہے معمولی یا خلافِ اولیٰ تو علامہ شامی کے بقول اس میں معمولی کراہت ہے۔ یعنی خلاف اولیٰ ہے۔

علماء وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں امامت النساء میں کراہت کی حیثیت

(۱) روایاتِ کثیرہ جو امامۃ النساء کے جواز کو ثابت کرتی ہیں اس کے مقابلہ میں معمولی کراہت اور وہ بھی

بغیر دلیل کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۲) علامہ شامی نے اسی کتاب میں عورت کی امامت کو درست اور صحیح کہا ہے۔

فرماتے ہیں کہ عورت کا اپنی جیسی عورتوں کی امامت کرانا صحیح ہے۔ عورت کی امامت کا صحیح ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کراہت نہیں ہے۔

عمل کراہت میں تعامل جواز کو ثابت کرتا ہے

خواتین کی جماعت اور امامت کرانے میں اگر کراہت کو تسلیم کر بھی لیا جائے جیسا کہ بعض حضرات کا موقف اور نظریہ ہے تو کراہت (غیر اولیٰ) کے باوجود عورت کی جماعت اور امامت جائز ہے۔ کیونکہ شریعت میں کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی ممانعت احادیث وآثار میں موجود ہے اس ممانعت کی وجہ سے بعض فقہاء ان اعمال کو مکروہ کہتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود جب اہل علم اور بزرگان دین ان اعمال کو بنظر عمیق دیکھتے ہیں تو ان کے کرنے میں (اگرچہ مشقت بھی کافی ہوتی ہے پھر بھی) ان کی نگاہیں فوائدِ کثیرہ اور حصول اجر وثواب پر ہوتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے کرنے میں اس قدر ثواب ملتا ہے کہ شاید ہی کسی عمل پر اتنا ثواب ملتا ہو۔

تاریخ اور اسماء الرجال کی کتب بے شمار ایسے طالب خیر لوگ نظر آئیں گے جو ان اعمال کو فوائدِ کثیرہ اور حصول اجر وثواب کی خاطر کثرت سے عمل میں لاتے رہے۔

تو کثرتِ تعامل کے مدنظر فقہاء نے ایسے اعمال کو جواز کا درجہ دے دیا۔

مثال نمبر ا۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا:

(الف) اقرء فی سبع ولا تزد علی ذالك (بخاری ۷۵۶/ج ۲)

یعنی قرآن مجید ہفتہ میں ایک بار ختم کرو اس سے کم میں ختم نہ کرو، اس کے بعد امام بخاریؒ اختلافِ روایات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ بعض نے تین راتوں میں اور بعض نے پانچ راتوں میں ختم کرنے کا ذکر کیا ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن سے کم میں ختم قرآن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(ب) ابن حزم نے تین دن سے کم میں ختم کرنا حرام کہا ہے۔

(ج) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں ختم کرنا گویا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر

ہیں۔

غالباً اسی لیے فقہاء نے تین دن سے کم میں ختم قرآن کو مکروہ کہا ہے لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امت مرحومہ میں بہت سارے حضرات ایسے ہوئے جو صرف ایک رات میں قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں

(۱) حضرت عثمان غنیؓ ایک رات میں ختم کرتے تھے (طبقات ابن سعد ۵۳/ج ۳)

(۲) حضرت تمیم داریؓ ایک رات میں ختم کرتے۔ (طحاوی ۱/۲۰۵)

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ایک رات میں ختم کرتے۔ (قیام اللیل ۶۳)

(۴) امام ابوحنیفہؒ رمضان میں اکسٹھ قرآن ختم کرتے تھے۔

(۵) امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ تین دنوں میں ۹ مرتبہ ختم قرآن کیا۔ (مفتاح الجنۃ ۲۹ للسیوطی طبع مصر)

(۶)ا مام وکیع بن الجراح ایک رات میں ختم کرتے۔ (بغدادی ۴۷۰/ج ۱۳)

(۷) یحی بن سعید ایک دن رات میں ختم کرتے۔ (تہذیب الاسماء نووی ۱۵۴/ج ۲)

(۸) امام بخاریؒ روزانہ دن کو ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ (طبقات الکبری ۹/ج ۲)

مثال نمبر۲:

ارشاد نبویؐ ہے کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا اس حدیث کے مدنظر بعض علماء اور فقہاء نے صوم الدھر کر مکروہ لکھا ہے۔ لیکن اس کراہت اور ممانعت کے باوجود امت مسلمہ بے شمار حضرات ایسے ہیں کہ جو صائم الدھر تھے۔

(۱) حضرات امام شعبہ بن الحجاج صائم الدھر تھے۔ (تحفۃ الاحذی ۲۲۲)

(۲) امام وکیع بن الجراح صائم الدھر تھے۔ (تاریخ بغداد ۴۷۰/ج ۳)

(۳) حضرت امام بخاری صائم الدھر تھے۔ (میران الکبری ۵۰)

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اگرچہ بعض اعمال کو علماء یا فقہاء نے حدیث کی روشنی میں مکروہ کہا ہے۔ لیکن اس کے برعکس حضرات صحابہ کرامؓ واکابرین علماء امت اور بزرگان دین کا تعامل اس بات کا مظہر ہے کہ ان کا عمل صوم الدھر اور ایک دن میں ختم قرآن

وغیرہ بغرضِ حصولِ تقویٰ اور بغرضِ فوائدِ کثیرہ اور حصولِ اجروثواب تھا۔اس لیے علماء نے ان کے جواز میں فتویٰ دیا ہے ورنہ یہ نظریہ قائم کرنا پڑے گا کہ صوم الدھر اور تین دن سے کم میں ختم قرآن مکروہ تحریمی ہے۔(ہامش بخاری ۷۵۶)

اور سلف صالحین کے ان اکابرین کو معاذ اللہ مکروہ تحریمی کا مرتکب کہنا پڑے گا۔اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کیا کسی اہل علم کا ضمیر اور دل اس کو گوارہ کرتا ہے کہ یہ اکابرین مخالفِ حدیث تھے۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔بلکہ وہ تو محبتِ رسولؐ اور محبِ حدیث تھے۔

بعینہٖ جماعت التراویح میں صحابیاتؓ اور حافظات خواتین کا تعامل بھی شوق تلاوت، حصول شفاعت، امید مغفرت اور بغرض اجروثواب تھا اسی لیے اس مسئلہ میں بھی کبار علماء وفقہاء نے اس کے جواز میں فتویٰ دیا ہے۔

جب ان سلف صالحین (جو بظاہر حدیث کے مخالف نظر آتے ہیں) کو کوئی بھی اہل علم مکروہ تحریمی کا مرتکب ٹھہرانے کیلئے تیار نہیں ہے اور اپنے دل میں ان کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔تو آپ کی ازواج مطہرات حضرت عائشہؓ وحضرت ام سلمہؓ اور دیگر صحابیاتؓ کا عمل حضور ﷺ کی منشاء کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟ اور ان کے بارے میں یہ رائے کیسے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ عمل کراہت کا ارتکاب کرنے والی ہونگی۔پھر صحابیاتؓ تو امامۃ النساء کے مسئلہ میں بظاہر کسی حدیث کی مخالفت بھی نہیں کررہی۔کیونکہ کسی صحیح حدیث سے وسط میں کھڑی ہوکر امامت کرانے کی ممانعت بھی ثابت نہیں ہے اور صحابیات کا یہ عمل آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ہوا اور آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا اور صحابہ کی موجودگی میں ہوا اور کسی صحابیؓ نے نہ احتجاج کیا اور نہ منع کیا اور نہ ان کے خلاف کسی نے کراہت کا فتویٰ دیا، اسی لیے ان کے عمل کو آج تک کسی نے مکروہ نہیں کہا ہے بلکہ جواز اور مستحب کا درجہ تک دے دیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ عینی اور محقق ابن ہمام کا فتویٰ

شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی (شارح بخاری وشارح ہدایہ) اور محقق ابن ہمام (جسکی نسبت علامہ شامی نے لکھا ہے بلغ رتبۃ الاجتھاد یعنی مجتہدین کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے) وہ

فرماتے ہیں کہ امامۃ النساء نہ مکروہ ہے نہ بدعت ہے۔ابوداؤد شریف کی یہی حدیث۔حدیث ام ورقہؓ ہے جس کو دلیل اور ثبوت بنا کر علامہ عینی اور محقق ابن ہمام نے فیصلہ دیا ہے کہ عورتوں کی جماعت نہ مکروہ ہے نہ بدعت بلکہ امامۃ النساء کے ثبوت اور جواز میں انہوں نے بھی حدیث عائشہؓ وام سلمہؓ اور ابن عباسؓ کا فرمان پیش کیا ہے۔

صف کے درمیان میں مردوں کی امامت مکروہ ہے عورتوں کی نہیں

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر عورت وسط میں کھڑی ہوکر امامت کرائے تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ وام سلمہؓ ایسا ہی کرتی تھیں وسط میں کھڑی ہوکر امامت کی نفی کسی واضح اور صریح حدیث وآثار صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے البتہ اگر مرد وسط میں کھڑا ہوکر مردوں کی امامت کراتا ہے تو یہ مکروہ ہے فرماتے ہیں کہ ایک عورت کا اُن (مستورات) کے درمیان میں کھڑی ہونا کیسے حرام ہے حالانکہ حضرت عائشہؓ وام سلمہؓ بذات خود ایسا کرتی رہی ہیں۔اور اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے بلکہ اس صورت میں ارتکاب حرام تو مردوں کے حق میں ہے عورتوں کے حق میں نہیں ہے اگر یہ حکم مطلق ہوتا تو پھر اصلاً یہ مسئلہ جائز نہ ہوتا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود بہت سارے علماء اور فقہاء کرام نے اس کو جائز لکھا ہے۔

عورت کی امامت کیسے مکروہ ہے؟

۱۔ اگر عورت کی امامت مکروہ ہوتی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام ورقہؓ کو امامت کی اجازت کیوں دی آپ نے صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا کہ امامت کراؤ تو جس عمل کا حکم سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا ہو اس کے کرنے میں کراہت کیسے ہوسکتی ہے؟ حکم کی اتباع تو عین عبادت ہے۔**وما اتاکم الرسول فخذوہ** (القرآن)

''جس بات کا نبی تمہیں حکم دیں اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوں۔''

۲۔ دورِ نبوی ﷺ میں اگر صرف حضرت ام ورقہؓ نے ہی امامت کرائی ہوتی تو شاید کسی کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ یہ ام ورقہؓ کے لیے تخصیص تھی۔یہاں تو ازواج مطہراتؓ بھی امامت النساء کی عملی تصویر ہیں۔عین ممکن ہے جب امہات المؤمنینؓ نے دیکھا کہ امام الانبیا ﷺ نے حضرت ام ورقہؓ کو ان کی اجازت مانگنے پر امامت کا حکم فرمادیا ہے تو انہوں نے بھی اجازت لے لی ہو، یا پھر ام ورقہؓ

کی امامت پر قیاس کرتے ہوئے خود ہی عورتوں کی امامت شروع کردی ہو کہ جب ام ورقہؓ امامت کراسکتی ہیں تو ہم بدرجہ اولیٰ اس کی حق دار ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ اورام سلمہؓ امامت کراتی رہیں نہ ان کو نبی ﷺ نے روکا اور نہ ہی کسی صحابی نے ان پر اعتراض کیا۔

۳۔ حضرت عائشہؓ کے عمل پر کوئی صاحب علم اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں خاتم النبیین ﷺ کا فرمان عالی شان ہے، کہ میری وحی کا آدھا علم میرے سارے صحابہؓ سے حاصل کرو اور آدھا علم تنہا حضرت عائشہؓ سے حاصل کرو تو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اتنی زبردست عالمہ فقیہہ ہیں کہ گویا نبوت کا آدھا علم حضرت عائشہؓ کے پاس اور آدھا علم کل صحابہؓ کے پاس ہے۔ تو جس کے پاس نبوت کا آدھا علم ہو اور امام الانبیا ﷺ کا حکم بھی ہوا کہ میرا آدھا علم عائشہؓ سے سیکھو تو امامۃ النساء کے مسئلہ کو انہوں نے سکھایا اور ہم نے سیکھ لیا ہے۔

وصالِ نبی ﷺ کے بعد اکثر صحابہؓ مسائل میں حضرت عائشہؓ سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اختلافی مسائل اور نزاع میں آپ ہی کے فیصلہ کو ترجیح دی جاتی تھی، جیسا کہ حضرت سید سلیمان ندوی نے سیرتِ عائشہؓ میں متعدد مسائل ایسے نقل کیے ہیں جن میں صحابہ نے اپنے اجتہاد یا کسی روایت کی بنا پر کوئی مسئلہ بیان کردیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر اسکو رد کردیا اور آج تک ان مسائل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کا قول مانا جاتا ہے۔

تو ایسی طیبہ طاہرہ زوجہ نبی ﷺ جس کی پاکیزگی اللہ تعالیٰ قرآن بیان کرے اور نبوت کے نصف علم کی محافظہ کے قول وعمل میں کراہت ثابت کرنا عقل ونقل کے خلاف ہے ان کی امامت پر کوئی اعتراض کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جب صحابہ اور صحابیات میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا تو آج کوئی کیسے حضرت عائشہ کے عمل پر اعتراض کرنے کی جرأت کرے گا؟

اصبحن اسوة لنساء المسلمين الى يوم القيامة

ترجمہ ''امہات المؤمنین قیامت تک تمام مسلمان خواتین کے لیے نمونہ بن گئی ہیں۔''

امت میں سب سے بڑے مفتی اعظم کا فتویٰ

امت میں سب سے بڑی مفتی اور مفسر قرآن حضرت ابن عباسؓ نے عورتوں کو امامت کرانے کا طریقہ

سکھلا دیا ہے فرماتے ہیں کہ مستورات جب جماعت کی صورت میں نماز پڑھیں تو عورت درمیان میں کھڑی ہوکر امامت کرائے۔جیسا کہ (دلیل ۱۹) میں ہے۔

صحابیٔ رسول نے وہی طریقہ بتلایا جو ازواج مطہرات کا عملی نمونہ تھا گویا امامۃ النساء کے مسئلہ پر انہوں نے مہر جواز ثبت کردی ہے۔اگر یہ طریقہ ناجائز یا مکروہ ہوتا تو حضرت ابن عباس کو بتلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اسماء بنت ابی بکرؓ کا فتویٰ

قربان جائیں حضرت اسماء ابنت ابی بکرؓ پر جنہوں نے ہماری اس مسئلہ میں پوری پوری رہنمائی اور پوری وضاحت فرمادی۔حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ عورتوں کی امامت جائز نہیں ہے لیکن اگر عورت وسط میں کھڑی ہوکر امامت کرائے تو جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔جیسا کہ (دلیل ۲۰) میں ہے۔

امام شعبیؒ کا فتویٰ

امام شعبی کا فتویٰ ہے جس کو امام عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ نے (ج ۱/ ۵۳۶) پر نقل کیا ہے جیسا کہ (دلیل نمبر ۲۳) میں ہے کہ حضرت امام شعبی فرماتے ہیں کہ عورت رمضان شریف کی نماز تراویح میں عورتوں کی امامت کرے گی اور دوسری خواتین کے ساتھ ان کی صف میں کھڑی ہونگی گویا ایک عورت کا اپنی ہم جنس دیگر خواتین کا امامت کرنا جائز ہے۔

امام حمید بن عبدالرحمٰنؒ کا فتویٰ

امام حمید بن عبدالرحمٰن کا فتویٰ ابن ابی شیبہ میں (ج ۱/ ۵۳۶) پر مذکورہ ہے جیسا کہ دلیل ۲۴ میں ہے کہ حضرت امام حمید بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک عورت خواتین کی امامت کرائے۔البتہ خواتین کے ساتھ صف میں کھڑی ہوگی۔تو معلوم ہوا کہ ایک عورت دوسری خواتین کی امامت کراسکتی ہے۔

محدث کبیر ملا علی قاری کا فتویٰ

ملا علی قاری کا فتویٰ بذل المجہود (ج ۱/ ۳۳۱) اور شرح النقایہ میں موجود ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ”میں کہتا ہوں کہ کراہت ان کے ظہور وخروج پر محمول ہے اور اگر گھر کے اندر

باپردہ ہوکر جماعت سے نماز ادا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس میں کسی قسم کی کراہت ہے۔

قاضی ابو یوسفؒ کا فتویٰ

قاضی ابو یوسفؒ کا اپنی کتاب السنن میں امامت عائشہؓ والی روایت کو باب امامۃ النساء میں لانے کا مقصد یہی ہے کہ ان کے نزدیک بھی امامت النساء و جماعت النساء جائز ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ کتاب السنن (۴۱) پر حضرت عائشہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں جیسا کہ (دلیل ۱۳) میں ہے کہ حضرت عائشہؓ رمضان المبارک کی تراویح میں خواتین کی امامت کرتی تھیں اور خود صف کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں اور اس کے مدمقابل کراہت یا ممانعت کا کوئی قول ان سے منقول نہیں ہے اگر ان کے نزدیک عورتوں کی جماعت میں کسی قسم کی کراہت ہوتی تو اس کا ذکر ضرور فرماتے تو ثابت ہوگیا کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عورتوں کی جماعت جائز ہے۔

امام محمدؒ کا فتویٰ

حضرت امام محمدؒ کتاب الآثار (۴۴) پر رقمطراز ہیں جیسا کہ (دلیل ۱۱) میں ہے۔

حدیث مذکور کے بعد امام محمدؒ فرماتے ہیں ''اور ہمیں عورت کی امامت (خواتین کی جماعت) نے تعجب میں نہیں ڈالا کہ عورت امام بنے پس اگر وہ امامت کرانا چاہتی ہے تو وہ مستورات کے درمیان کھڑی ہوجائے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا عمل رہا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔''

امام ابواعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک امامت النساء جائز ہے

کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہؒ نے حضرات ابراہیم نخعی کے حوالہ سے ام المؤمنین کا عمل نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ رمضان المبارک کے مہینہ (نماز تراویح) میں درمیان کھڑی ہوکر عورتوں کی امامت کراتی تھیں (جیسا کہ دلیل نمبر ۱۱ میں ہے)۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ کا عمل (نماز تراویح میں امامت کرانا) نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک عورتوں کی جماعت جائز ہے۔

اگر ان کے نزدیک عورتوں کی جماعت جائز نہ ہوتی تو وہ اپنے مسلک کے خلاف کبھی روایت نقل نہ کرتے گویا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے مسلک کی ترجمانی کردی ہے کہ امامۃ النساء جائز

ہے۔غالباً اسی وجہ سے علامہ شمس الحق فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا اس پر فتویٰ ہے کہ عورت کی امامت مستحب ہے اور اس کے برعکس فقہ کی کسی کتاب میں امام ابوحنیفہؒ نے عورتوں کی جماعت اور امامۃ النساء کو ناجائز یا مکروہ نہیں کہا ہے۔

مسلک امام اعظمؒ اور حدیث

حضرت ابن حجر مکیؒ اور امام سیوطیؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو حکم آنجناب رسول ہاشمی ﷺ سے ثابت ہو (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) وہ سر آنکھوں پر اور جو چیز آپ کے صحابہؓ سے آئے ہم ان کے اقوال میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتے اور اگر اگر غیر صحابہؓ سے آئے تو وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ (میزان ۲۹ر ج ۱)

(۲) حضرت امام ابن حجر مکی اور ملا علی قاری امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ کسی شخص کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں رائے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور اسی طرح جس چیز پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع واقع ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں بھی کسی کو رائے پیش کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ (الخیرات الحسان ۶۷۔ ذیل الجواھر ۴۷۳ر ج ۳)

(۳) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بات صحیح حدیث سے ثابت ہو اور وہ مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائیگا اور حدیث پر عمل کرنا امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کرنا ہے اور اس وجہ سے ان کا مقلد حنفی ہونے سے کارج نہ ہوگا۔ کیونکہ امام صاحب سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے وہ فرماتے ہیں اذا صح الحدیث فھو مذھبی (شامی ۷۰ ج ۱ر، طبع مصر) یعنی جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

مسئلہ امامۃ النساء میں امام ابوحنیفہؒ نے جو روایت نقل کی ہے (جیسا کہ دلیل نمبر ۱ میں ہے) وہ روایت بھی صحیح ہے۔

اور اس کے علاوہ جماعۃ النساء کے جواز اور ثبوت میں صحیح احادیث کا ذخیرہ بھی دلائل بالا میں موجود و مذکور ہے۔ جن میں اکثر روایات ایسی ہیں جو اسناد کے لحاظ سے بالکل صحیح ہیں اور ان میں کسی قسم کی جرح کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

لہٰذا جب لاتعداد صحیح احادیث موجود ہیں تو پھر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فرمان کی روشنی میں (کہ میرا مذہب وہی ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہو) ان کے مقلدین کو امام اعظم کے فرمان کی تائید میں ان صحیح احادیث کو امام صاحب کا مسلک تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور پھر اپنے آپ مقلد ہونے کے ناطے اسی مسلک کی تائید میں سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔ جیسا کہ علامہ شامی کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کرنا امام اعظم کے مذہب پر عمل کرنا ہے۔ اور اس وجہ سے (ان کا مقلد) حنفی ہونے سے خارج نہ ہوگا، اس لیے ان نفوس قدسیہ (صحابیاتؓ) کے عمل کو بلا کراہت دل و جان تسلیم کر لینے میں مسلک پر کوئی زد نہیں آئے گی۔

اس دور میں جو خواتین رمضان المبارک میں صلوٰۃ التراویح کی جماعت کا اہتمام کرتی ہیں گویا انہوں نے صحیح احادیث کو سر آنکھوں پر رکھ کر قبول کیا اور عملی زندگی میں حقیقتاً اس پر عمل کر کے دکھایا اور مسلک امام اعظم ابوحنیفہؒ کی صحیح پیروکار ثابت ہوئیں۔

امام طحاویؒ سے منقول ہے کہ امام اعظم کسی مسئلہ میں ایک شخص سے بحث و مباحثہ کر رہے تھے اثنائے گفتگو آپ خاموش ہو گئے ان کے اصحاب میں سے کسی نے کہا، اے ابوحنیفہ! خاموش کیوں ہو گئے ان کو جواب کیوں نہیں دیتے؟

امام اعظم ابوحنیفؒ نے فرمایا کہ وہ تو مجھ سے سرکار دو عالم ﷺ کی حدیث پیش کر رہا ہے میں کیا جواب دوں (شرح عقیدہ الطحاوہ ۲۸۱ طبع مکہ مکرمہ)۔

یہ تھا مقام اور یہ تھی تعظیم امام اعظمؒ کے نزدیک حدیث شریف کی کہ حدیث کے سامنے کس طرح گردن جھکا دی۔

ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں ہمیں بھی چاہیے کہ جب صحیح احادیث سامنے آجائے تو اُن کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کریں اور حدیث کی تعظیم اسی طرح کریں جس طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ نے کی۔

امام ابن حجر، امام سیوطی، ملا علی قاری کے اقوال کے مدنظر اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک احادیث کے عین مطابق ہے کیونکہ وہ حدیث کے ہوتے ہوئے کبھی بھی اپنا قیاس (رائے)

قائم نہیں کرتے تھے۔

اور جب کسی مسئلہ میں حدیث یا آثار صحابہ نہ ملتے تو پھر قیاس سے اپنی رائے قائم کرتے تھے۔اس سے ان لوگوں کا بھی رد ہوگیا جو حضرات کہتے ہیں ہیں کہ احناف حدیث پر عمل نہیں کرتے صرف فقہ پر عمل کرتے ہیں۔

تو اس امامۃ النساء کے مسئلہ میں چونکہ احادیث موجود تھیں اس لیے ان کے مدمقابل کوئی رائے یا قیاس قائم نہیں کیا بلکہ اس مسئلہ کے عین مطابق روایت نقل کر کے ان روایات کی قولاً تائید وتصدیق کردی جس میں مسلہ امامۃ النساء کے ثبوت وجواز کا طریقہ واضح موجود تھا۔

مسلک احناف اور حدیث مبارکہ

۱۔ملا علی قاری احناف کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ احناف کا قوی مذہب یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث کو بھی قیام پر مقدم رکھتے ہیں (مرقاۃ ۳، ج۱)

(۲)۔ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ تمام اصحاب ابوحنیفہؒ اس پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث امام اعظمؒ کے نزدیک قیاس (رائے) سے اولیٰ ہے (الخیرات الحسان ۲۷)۔

معلوم ہوا کہ مسلک احناف کی بنیاد قیاس یا رائے پر نہیں ہے (جیسا کہ بعض مخالفین کا نظریہ ہے) بلکہ ضعیف حدیث کی بھی تعظیم کرتے ہیں اور قیاس کے مقابلہ میں اس کو اسی طرح اہمیت دیتے ہیں جس طرح صحیح حدیث کو دیتے ہیں۔تو معلوم ہوا کہ مسلک احناف کے نزدیک ضعیف حدیث کا درجہ قیاس سے کہیں زیادہ اور برتر ہے۔

ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہے

(۱)ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہے جب فضائل میں وارد ہو کیونکہ علماء کے نزدیک اس پر کلام قابل تحمل ہے۔

(۲)ضعیف حدیث کی مؤید اگر صحیح احادیث موجود ہوں (جیسا کہ امامۃ النساء میں تو قابل قبول ہے۔

(۳)مکروہ تنیہ (خلاف اولیٰ) کے مقابلہ میں ضعیف احادیث کو ترجیح دی جائے گی جبکہ اس کی مؤید صحیح احادیث بھی موجود ہوں۔ (باقی آئندہ)

برکۃ العصر، شیخ الحدیث **حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ** کے واقعات

جواب دہی اللہ کے یہاں میرے ذمہ ہے

۱۹۴۷ء میں جب حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کا قیام بستی نظام الدین میں تھا، اس وقت حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی پہلی اہلیہ بہت بیمار تھیں۔ اسی بیماری میں وصال بھی فرما گئیں تھی (سجدہ کی حالت میں) رحمہما اللہ تعالیٰ۔ کسی بڑے ڈاکٹر صاحب کا علاج تھا، وہ کسی کسی وقت آتے تھے لیکن دوا دینے اور مقررہ اوقات میں بار بار درجہ حرارت دیکھ کر نوٹ کرنے کے ذمہ دار تبلیغی احباب میں سے ایک چھوٹے ڈاکٹر صاحب تھے۔ ایک دن حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ اس وقت کتنا بخار ہے؟

انہوں نے عرض کیا اس وقت معمولی بخار ہے۔ حضرت نے فرمایا معمولی کا کیا مطلب؟ کتنے درجہ بخار ہے؟ انہوں نے عرض کیا تھرمامیٹر تو نہیں لگایا ویسے ہی دیکھا ہے۔ اس پر حضرت کو بہت غصہ آیا اور ان کو ڈانٹا کہ تھرمیٹر کیوں نہیں لگایا؟ تم کو نبض کا کیا پتہ؟ اب ڈاکٹر صاحب کو کیا بتاؤ گے؟ یہ لاپرواہی ناقابل برداشت ہے۔

تھوڑی دیر بعد فرمایا:

یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے اور مجھے بھی پتہ ہے کہ وہ تو جا رہی ہے، تھرمامیٹر لگانے سے بچ نہیں جائے گی لیکن چونکہ مولانا محمد یوسف صاحب کو فرصت نہیں اس لیے اس کا علاج کرانا میں نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ اب علاج میں کوتاہی کرنے کی جواب دہی اللہ کے یہاں میرے ذمہ ہے اس لیے آپ کو یہ سب کچھ کہا گیا ہے۔

(روایت صوفی صاحب)

اکرام ضیف میں مہمان کی حیثیت

۱۹۴۷ء کے فسادت میں جب حضرت والا کا قیام بستی نظام الدین میں تھا تو اس وقت دوسو کے قریب مہمان وہاں موجود تھے، جو سب کے سب مسجد ہی میں محصور تھے آٹا ختم ہو گیا،

گیہوں پسوانے کی کوئی صورت نہ تھی، ثابت گندم ہی لنگر میں پکتی تھی وہ بھی بعد میں ختم ہوگئی لیکن بہت سے جانور آگئے تھے۔قربانی کے گوشت کی طرح محض گوشت ہی سے پیٹ بھرا جاتا تھا ان دنوں مولانا یوسف صاحبؒ کے گھر میں کوئی میواتن تھوڑا سا آٹا چکی میں پیس لیتی تھی، اس کی چند چپاتیاں پکتی تھیں، مولانا مرحوم چونکہ اپنا کھانا گھر سے منگاتے تھے اس لیے ایک چھوٹا سا دسترخوان ان کے کمرہ میں بچھتا تھا، باقی سارا مجمع باہر لنگر کا کھانا کھاتا تھا دسترخوان پر، کبھی کبھار کوئی خصوصی مہمان بھی ہوتا تھا۔

حضرت اقدس کا چونکہ وہ اپنا ہی گھر ہے اور بڑے ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ کا وہاں انتظام چلتا تھا۔ایک دن حضرت اقدس نے بندہ سے فرمایا جاؤ باہر مجمع میں سے چار پانچ خاص خاص آدمیوں کو اندر بلا لاؤ، بندہ نے سوچا خاص خاص کا مطلب یہی ہوگا کہ جو زیادہ بزرگ ہوں ان کو لیجاؤں، چنانچہ بندہ نے پرانے پرانے بزرگ میواتی وغیرہ میواتی بزرگ صورت حضرات کو ایک ایک کرکے اندر لیجانا شروع کیا۔جب اسی طرح دو تین بزرگ کو لے گیا تو حضرت نے گھور کر دیکھا اور فرمایا تم جاؤ روٹی کھاؤ فی کس دو دو پتلی چپاتیاں ملتی تھیں۔یا شاید ایک ایک باقی وہی لنگر کا کھانا ہوتا تھا، پھر کسی دوسرے صاحب سے فرمایا کہ تم لیکر آؤ۔

وہ صاحب شیروانی والے بابوؤں اور تاجر قسم کے رئیس اور نازک مزاج لوگوں کو لے آئے سب کے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا: تم نے اپنے خیال سے خواص کو لانا شروع کیا یہاں کوئی بزرگی کا کام تھوڑا ہی تھا، یہاں تو روٹی کھانی تھی ہمیں سب کو کھانا کھلانا ہے، سب کی خاطر کرنا ہے تم جن لوگوں کو لائے،

وہ یہاں بھوکے رہتے ان کیلئے تو باہر کا کھانا ہی بہت اچھا ہے خوشی سے پیٹ بھر کر کھاتے ہیں لیکن ان دوسرے حضرات سے اول تو باہر کا کھانا کھایا نہ جاتا، کھا لیتے تو پیٹ میں درد ہوتا ان کیلئے تو یہ کھانا بھی مجاہدہ ہے۔اس واقعہ سے بندہ نے سمجھا اکرام ضعیف میں ہر مہمان کی حیثیت کی رعایت بھی ضروری ہے۔

بچوں کے صفحات

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کا مضبوط ایمان

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب مسلمان مختلف علاقے فتح کرتے ہوئے شام کے ملک میں داخل ہوگئے تو رومیوں کو بہت طیش آیا۔ کیونکہ شام پر رومیوں کی حکومت تھی۔ وہ اسے برداشت نہ کرسکتے تھے کہ مسلمان ان کے ملک پر قابض ہوجائیں اس لیے انہوں نے مسلمان قیدیوں کے ساتھ نہایت سخت بے رحمی کا سلوک شروع کردیا۔

انہوں نے تانبے کی ایک بڑی گائے بنائی، اس میں تیل گرم کرکے ڈال دیتے تھے۔ پھر مسلمان قیدیوں سے کہتے کہ یا عیسائیت قبول کرو یا اس تیل میں جلنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ مسلمان تیل میں جل بھن کر کباب بن جانا تو پسند کرتے تھے مگر عیسائی ہونا گوارا نہ تھا۔

ایک دفعہ شام کے ایک معرکے میں تقریباً ۸۰ مسلمان رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے، ان میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بھی تھے جو بڑے مضبوط بدن اور ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ اس وقت رومی لشکر میں روم کا بادشاہ خود موجود تھا۔ رومی، حضرت عبداللہ کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے ان کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے لیے کہا۔ لیکن انہوں نے انکار کردیا۔

بادشاہ نے انہیں دھمکی دی کہ تیل میں ڈال کر انہیں بھون دیا جائے۔ لیکن انہوں نے بے دھڑک کہا کہ تمہارا جو دل چاہے کرلو لیکن میں عیسائی نہیں بنوں گا۔

جب رومی ان کو خوف زدہ کرنے کے لیے ایک اور مسلمان قیدی کو بادشاہ کے سامنے لائے تو بادشاہ نے اس قیدی کو بھی اسلام چھوڑ کر عیسائی بن جانے کے لیے کہا۔ لیکن اللہ کے اس نیک بندے نے صاف انکار کردیا۔ اس پر رومیوں نے اسے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ وہ فوراً جل کر کباب ہوگیا۔

حضرت عبداللہؓ ان کا یہ انجام دیکھ کر رونے لگے۔رومیوں نے کہا:

''اب موت سے ڈر کیوں روتے ہو ابھی وقت ہے عیسائیت قبول کر کے اپنی جان بچالو ہم تمہیں رہا کردیں گے''۔

رومیوں کی بات سن کر حضرت عبداللہؓ کی آنکھوں میں نور ایمان کی کرنیں پھوٹنے لگیں اور انہوں نے کہا:

''میں موت سے ڈر کر نہیں روتا بلکہ اس بات پر روتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک جان ہے۔کاش ایک جان کی بجائے میرے ہر بال کی جگہ ایک جان ہوتی اور میں ان سب جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا''۔

رومی ان کے جوشِ ایمان سے بہت متاثر ہوئے اور ارادہ کرلیا کہ ایسے مضبوط ایمان والے آدمی کو اپنے مذہب میں شامل کر کے رہیں گے۔انہوں نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر تم ہمارے بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دو تم ہم تمہیں ابھی رہا کر دیتے ہیں''۔

لیکن حضرت عبداللہؓ نے صلیب پرست اور مشرک بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دینے سے انکار کر دیا۔

رومیوں نے جب دیکھا کہ ہمارا یہ وار بھی خالی گیا ہے تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو مال و دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیا لیکن انہوں نے ان سب کو ٹھکرا دیا۔

آخر قیصرِ روم نے کہا کہ میری پیشانی چوم لو تو میں تمہارے سارے قیدی چھوڑ دونگا۔

اس بات کو سن کر حضرت عبداللہؓ نے اپنے باقی مسلمان بھائیوں کی خاطر قربانی دینے کا ارادہ کرلیا اور فوراً آگے بڑھ کر بادشاہ کی پیشانی کو چوم لیا۔اس طرح تقریباً ۸۰ آدمیوں کی جان بچ گئی۔

جب آپ مدینہ واپس آئے اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کو یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے فرطِ مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی

اور دوسرے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ بھی ان کے سر کو بوسہ دیں ۔ یہ ان کے ایمان کی مضبوطی کا کرشمہ تھا کہ مسلمانوں کو رومیوں کی قید سے نکال لائے۔

پیارے بچو! اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بھی اسی طرح کا مضبوط ایمان عطا فرمائیں۔آمین

اولیائے کرام کے متفرق روشن اقوال

☆ لوگوں کو آگ فرض کرو اور بلاضرورت ان کے پاس نہ جاؤ اور جب ان کے قریب جاؤ تو آگ کی طرح دوڑو۔

☆ قیامت میں سب سے بڑھ کر بد بخت وہ عالم ہے جس کے علم پر لوگ تو عمل کریں لیکن وہ خود عامل نہ ہو۔

☆ شائستہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور بغیر اس کے کسی پر اُمید نہ رکھے۔

☆ اللہ تعالیٰ متکبر کو دنیا سے نہیں نکالتا یہاں تک کہ ادنیٰ خدمت گار اور ہمسایوں سے اس کو ذلت نہ دکھائے اور اپنے پاخانے پیشاب میں ٹوٹتا نہ پھرے۔

☆ جب تم کسی دوست کا حال دریافت کرو اور وہ کہے کہ میں فلاں چیز کا محتاج ہوں اور تم اس سے تغافل کرو اور اس کی ضرورت پوری نہ کرو تو اس کا حال دریافت کرنا اس کے ساتھ تمسخر ہوگا۔

☆ جب یہ بات بخوبی سمجھ میں آجائے کہ دنیا کی ہر چیز کا انجام بربادی ہے اور دنیادار کو آخر کار مٹی میں جانا ہے تو تعجب ہے اس شخص پر جس کے گھر سے جنازہ نکلے اور وہ اس سے بھی عبرت حاصل نہ کرے۔

☆ شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے کہ تیرا کھانا کیا ہے لباس کیا ہے، اور مسکن کہاں ہے؟ میں جواب دیتا ہوں کہ موت میری غذا ہے، کفن میرا لباس ہے اور قبر میرا مسکن ہے۔

☆ میری عام وصیت یہ ہے کہ زبان کو نگاہ میں رکھو اور اس وقت تک جواب نہ دو جب تک کہ اپنی عقل کے ترازو میں اس کا جواب نہ دیکھو۔

☆ اگر تم خاص وصیت چاہتے ہو تو اس وقت تک بات نہ کہو جب تک کہ دیکھ نہ لو کہ تم نہ کہو گے تو جل جاؤ گے یا اس کے نہ کہنے سے کوئی زبردست فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔ (حاضرت حاتم الاصمؒ)

☆ کتنا ہی بڑا عارف کامل ہو جب تک اس کو محبوبِ ازلی سے عشق کامل نہ ہوگا، اس کو کچھ بھی نظر نہیں آسکتا اور نہ ہی کوئی چیز حاصل ہوگی۔

☆ محبت نام ہے ہر چیز سے قطع تعلق کر لینے کا اور اس کی رضا صرف رضائے الٰہی ہو۔

☆ حق تعالیٰ کے کچھ دوست ہیں جو ایک ساعت بھی حق تعالیٰ سے غافل اور محبوب نہیں رہتے اگر ذرا دیر کے لیے بھی وہ حق تعالیٰ سے محجوب ہو جائیں تو فنا ہو جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہنامہ

ملّیہ

فیصل آباد
پاکستان

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ
عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا
زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ
حبیب الرحمٰن لدھیانوی

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ
محمد یوسف صاحب کاندھلوی

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ
انیس الرحمٰن لدھیانوی
بانی جامعہ

پیر طریقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ
سید نفیس الحسینی

- عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ۔

اس میں وہ سب کچھ جس سے ہر ایک مسلمان کا باخبر رہنا ضروری ہے۔

- بے لاگ تبصروں اور تحقیقاتی تجزیوں سے بھرپور
- نقطہ نظر کا کالم ہر لکھنے والے کے لئے
- آپ کے مسائل اور انکا حل
- طلباء، خواتین اور بچوں کے خصوصی صفحات
- حصہ شعر و سخن۔ جس میں حمد و نعت، نظم اور غزل۔
- تذکرۂ اکابر سے مزین تحقیقی مقالہ جات
- خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی دعوت دے کر اس صدقۂ جاریہ میں شریک کریں۔

رابطہ کیلئے

ماہنامہ ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ محلّہ خالصہ کالج فیصل آباد
فون 041-8711569

www.milliafsd.com

MONTHLY MAGAZINE

Millia

JAMIA MILLIA ISLAMIA

FAISALABAD PAKISTAN

Reg:M # FD-16

MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569

E-mail: milliafsd@yahoo.com

Fax # 041-8502213

خانقاہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

ملّیہ

فیصل آباد پاکستان

کے گذشتہ شمارے آن لائن پڑھیے

1430 H -2008

1431 H - 2009

1432 H - 2010

1433 H - 2011

1434 H - 2012

1434 H - 2013

1435H - 2014

انٹرنیٹ ایڈریس

www.milliafsd.com